

رساله ردِّ الكفر

وَتَبَرَّاتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ

مرتب
حامد کمال الدین



25
DECEMBER



وَتَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ

رساله
ردِّ كُفْر

مطبوعات ايقاظ

فہرست

3	پیش لفظ
5	عقیدہ ”الولاء و البراء“
27	إكفار الملحدين : غیر مسلموں کو کافر نہ سمجھنا؟
30	اقتضاء الصراط المستقیم : کافر ملتوں سے بیزاری
35	گھپ اندھیرا تھا تو محمد ﷺ مبعوث ہوئے
38	”تمیز“ ظاہر میں بھی مطلوب ہے
43	اہل کتاب کی متابعت پر انتباہ: دلائل کتاب و سنت
51	دین کا ظہور اور غلبہ... ایک خوبصورت استشہاد
51	سنتِ جاہلیت کیا ہے؟
53	دارالاسلام میں شعائر کفر کا کھلے عام ہونا
54	کفار کے اعمال کی بابت ایک جامع بیان
58	کفار کے تہواروں کا حکم
83	اہل کفر کے سب تہوار ایک ہی جنس ہیں
87	مذاہبِ اربعہ: اہل کتاب کو ان کے تہواروں پر مبارکباد دینا؟
89	ساداتِ حنفیہ کا مذہب
90	ساداتِ مالکیہ کا مذہب
96	ساداتِ شافعیہ کا مذہب
98	ساداتِ حنابلہ کا مذہب
105	عرب مشائخ کے فتاویٰ
112	فتاویٰ برصغیر
116	استفتاء
121	کَلِمَةُ سَوَاءٍ
144	کرسمس تادیوالی.. إشکالات آج ہی کیوں؟

جملہ حقوق محفوظ ہیں

Rs100

مطبوعات ایتھاظ - 336 D سبزہ زار، لاہور

0323-4031624, matbooateeqaz@gmail.com, www.eeqaz.org

حرفِ آغاز

برادرانِ ملت

کافر ملتوں سے بیزاری ہمارے عقیدہ کا حصہ ہے اور لا الہ الا اللہ کا ایک براہِ راست تقاضا۔ البتہ اس گلوبل بستی میں شہریت پانے کے لیے مسلم اقوام پر شرط عائد ہو چکی کہ کافر سے بیزاری تو سوچیں بھی نہیں، خود اس عقیدہ سے ہی بیزار ہو کر آئیں۔ اُن کی اس مجوزہ بستی میں ہمارے لیے اپنے عقیدہ ”ناموسِ رسالت“ کے ساتھ رہنے کی گنجائش ہے اور نہ عقیدہ ”رَدِّ کفر“ کے ساتھ۔ ہم اس سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں تو بھی ان کو منظور نہیں؛ یہ عقیدہ ہم سے لازماً چھینا جائے گا جس کے لیے ہزار ہا انتظامات کر ڈالے گئے ہیں؛ یہاں تک کہ شرعی فتاویٰ، اور ٹھیٹ ترین پس منظر کی مالک مذہبی شخصیات کے صادر کردہ این او سی، بلکہ اصحابِ جبہ و دستار کی شرکت ہائے بابرکات؛ جس کے لیے سفارت خانے دیدہ و دل فرس راہ کیے بیٹھے ہیں..... اور نہ جانے کیا کیا کچھ۔

ایک طوفان ہے جو ہمارے گھر پر دستک دے رہا ہے۔

درمندانِ قوم!

اپنے اصولِ دین سے چمٹ کر دکھانا آج کا عظیم ترین چیلنج ہے۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے یہ اصولِ دین (جدید زبان میں ہماری نظریاتی بنیادیں) خود ہم پر اور ہماری قوم پر واضح ہوں۔ اصولِ اسلام کا بیان اس وقت کا ایک بڑا فریضہ ہے۔ ہماری اس تالیف کا مقصد اسلامی عقیدہ کے اُن جوانب کو واضح کرنا ہے جو ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“ سے متعلق ہیں اور جن کو جانے بغیر ”الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ“ اور ”صِرَاطِ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ کا مفہوم ہی سراسر ادھورار ہوتا ہے۔ ”مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ

اور ضَالِّین کا صراط‘ جس سے ہمیں ہر حرکت میں پناہ مانگنے کی ہدایت کر رکھی گئی ہے، اس میں اُن کا عقیدہ بھی آتا ہے اور دستور بھی، اُن کی عبادات بھی اور اُن کے شعائرِ دین بھی۔ اُن کے ”صراط“ سے دوری اور بیزاری کا یہ سبق ہمیں ہر نماز میں ازبر کرایا جاتا ہے؛ جس کو ہمیں بھلا دینے، بلکہ دفن کروانے کے لیے آج ہزاروں انتظامات عمل میں لائے جا رہے ہیں۔

ہمارا یہ عقیدہ جو ہمارا کلمہ اور ہماری نماز ہمیں صبح شام ہمیں ازبر کراتی ہے، یعنی مَغْضُوبٌ عَلَیْہِمْ اور ضَالِّین کے مذہب سے بیزاری..... اس کتاب کا موضوع ہے۔ اس کے سب مباحث ہم کتاب و سنت اور متقدمین امت کے ذخیرہ سے لے کر آپ کے سامنے رکھیں گے۔ فیصلہ آپ پر ہے، لیکن اگر آپ جانیں کہ ہمارے عقیدہ کا یہ ایک نہایت اہم باب ہے جو اس نام نہاد گلوبلائزیشن کے پاؤں تلے روند جا رہا ہے اور جس میں خود ہمارے مذہبی طبقوں کی ایک تعداد استعمال ہو رہی ہے.. تو حضرات! آئیے خاموشی کا قفل توڑیں اور قوم کو اس فتنہ سے آگاہ کریں۔ یہ قوم جس کے گھر میں ہزاروں نقب لگ چکے، جس کے صحن میں ہزاروں بھیڑیے گھس آئے، اس گھر کو بچائیے اور اس قوم کا ہاتھ تھامئے، آپ کے سوا آج اس کا کوئی نہیں۔

وما علینا إلا البلاغ..

حامد کمال الدین

رد کفر ”وَتَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ“

ہر دور اپنے ساتھ مخصوص فکری اُھواء intellectual whims لے کر آتا ہے جو عقول پر وائرس کا اثر رکھتی ہیں۔^(۱) اس میں سب سے پہلے آپکی نگاہ متاثر ہوتی ہے اور پھر ہر چیز اپنے زمانے کے مخصوص رنگوں میں نظر آنے لگتی ہے؛ اور کسی کسی وقت تو کتاب و سنت کے مدلولات میں بھی آپ اپنے زمانے کے تقاضے پڑھنے لگتے ہیں!

یہ سب ہولناک وبائیں اس بہتات سے ہمارے ہی دور میں کیوں پھوٹ پڑیں؟ اس کا جواب بہت سادہ ہے: ہمارے گھر کی جو ایک دیوار تھی اُس کے تھوڑے تھوڑے حصے تو بڑی دیر سے منہدم ہو رہے تھے مگر اب دو ڈھائی صدی ہونے کو ہے یہ دیوار بھی دھڑام سے آگری ہے؛ جس سے اس کی چھت بھی جاتی رہی۔ اب ہم کھلے آسمان تلے بیٹھے ہیں جہاں ہر طرح کے موسمی حالات ہم پر حملہ آور ہونے کا سو فیصد موقع پاتے ہیں؛ جس کا سب سے زیادہ اثر ہمارا دانشور طبقہ قبول کرتا ہے۔ اس مسئلہ کی اصل تشخیص بس اتنی ہے۔ باقی سب کچھ؛ اس کی علامات symptoms کہئے۔ کتاب و سنت میں ہر طرف ’سوشل ازم‘ کا نظر آنا، پورا دین اسلام ’جمہوریت‘ کی

(۱) وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تُجَارِي بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ لِصَاحِبِهِ، لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مِفْصَلٌ إِلَّا دَخَلَهُ

(رواہ أبو داود وابن أبی عاصم عن معاویۃ بن أبی سفیان ؓ، وحسنہ الألبانی، انظر صحیح أبی دواد، رقم الحدیث 3843)

”اور میری امت میں ایسی اقوام رونما ہوں گی جن میں اُھواء (فکری ٹیڑھ) یوں سرایت کریں گے جیسے کتے کے کاٹے کا اثر؛ آدمی کی کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس کی تاثیر سے سلامت نہیں رہتا“

دہائی دیتا نظر آنا، جگہ جگہ سیکولرازم کے دلائل دکھائی دینا، نصوصِ شریعت میں جا بجا تقاربِ ادیان Interfaith Rapproachment کے ثبوت نظر آنا اور قرآن کے ذکر کردہ ”کلمۃ سوائہ“^(۲) کو بھی اُسی مذہبی ہم آہنگی والی تفسیر میں دیکھنا جو مستشرقین کے ڈیسک پر تیار ہوئی..... یہ سب کچھ اس مریض کی کچھ دکھتی ہوئی جگہیں ہیں۔ یہ اس جان لیوا عارضہ کی محض کچھ علامات ہیں۔ اصل روگ پیچھے ہے اور وہ یہ کہ اس امت کا گھر ڈھ گیا ہے اور فی الوقت یہ کھلے آسمان تلے بیٹھی ہے؛ جہاں کوئی ادنیٰ ترین موسمی تبدیلی بھی اس پر اثر انداز ہو کر رہتی ہے..... جس کا اثر آپ کبھی ایک صورت میں دیکھتے ہیں تو کبھی دوسری صورت میں!

یہ اصل روگ جب تک باقی ہے، مریض کا ایک کافی شافی علاج کر دینا تو سمجھنے کسی کے بس میں نہیں۔ حفاظتی تدابیر، نارمل حالات میں کارگر رہتی ہیں۔ البتہ اگر آپ کو پہلے سے ہی ایک غیر معمولی صورتحال کا سامنا ہے تب تو ایک بڑی آفت اپنا اثر دکھا کر رہتی ہے۔

حالات انتہائی نارمل ہوں تو بھی آپ کو ”تحفظ“ کی ہر صورت اختیار کرنا ہوتی ہے۔ البتہ جب آپ ایک غیر معمولی صورتحال سے دوچار ہوں، پھر تو یہ چیز ناقابل تصور ہوتی ہے کہ آپ اپنی ذات یا اپنے پیاروں کے تحفظ سے لاپرواہ ہو جائیں۔ البتہ جہاں تک موسمی وباؤں سے ”تحفظ“ immunization کا سوال ہے، تو وہ ایک ہی

(۲) کَلِمَۃٌ سَوَآءٍ: وہ بات جس پر آنے کے لیے قرآن نے اہل کتاب کو کھلی دعوت دی ہے اور جو کہ سب انبیاء اور شریعتوں کا پڑھایا ہوا بنیادی ترین سبق ہے، یعنی خالص توحید۔ آل عمران: ۶۴ میں جہاں یہ لفظ ملتا ہے وہاں اسی آیت کے اندر اس کا نہایت واضح بیان بھی ملتا ہے، یعنی شرک کی کھلی نفی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ’بین المذاہب مکالمہ‘ کی مارکیٹنگ کرنے والے مسلمان پوری آیت کو سامنے لانے سے گریز کرتے ہیں۔ یہاں اس پر علیحدہ سے ایک تحریر بھی دی جا رہی ہے۔

ہے: کتاب اور سنت سے چمٹ رہنے کا وہ ٹھيٹ طریقہ جو چودہ سو سال سے بلا انقطاع چلا آتا ہے اور جس کا پیش لفظ اَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ ایسے سردی الفاظ سے عبارت ہے۔ یعنی ہر نئی بات پر کان کھڑے ہو جانا، اور پیچھے سے چلی آتی بات پر شدید درجے کا چین اور اطمینان محسوس کرنا۔ یہ ایک ایسا کمال کا تحفظ immunizaiton ہے کہ ’موسم‘ خواہ کتنا ہی بے رحم ہو لے، اور کیسی ہی مہلک وبائیں کیوں نہ پھوٹ لیں، استشراق کی لیب سے کیسے ہی خطرناک وائرس تیار ہو کر کیوں نہ نکل آئیں۔ جس جس نے یہ حفاظتی عمل immunization کروا رکھا ہو وہ اللہ کے فضل سے مکمل طور پر محفوظ رہتا ہے اور زمانے کے اثرات اس چٹان سے ٹکرائیں تو اپنا ہی سر پھوٹتے ہیں۔ پس کچھ عجب نہیں کہ یہ حفاظتی نسخہ immunization آپ کو ہر خطبے اور ہر مجلس میں دیا جائے اور اہل اسلام کی ہر تقریب اس کے بغیر ادھوری سمجھی جائے!

اس وقت جو فتنہ کالی آندھی کی طرح چڑھا آ رہا ہے وہ ہے مسلمان کی زندگی میں ’’دین‘‘ کی مرکزیت کو ختم کر دینا۔ سیکولرازم ہے تو وہ اس فتنہ کا محض ایک شیڈ shade ہے۔ نیشنلزم ہے تو وہ اسی فتنہ کا ایک دوسرا شیڈ ہے۔ اور اب یہ ’مذہبی ہم آہنگی‘ Inter-faith Harmony کی عالمی رو ہے جو کہ بڑی تیزی کے ساتھ عالم اسلام کا رخ کر رہی ہے..... تو یہ عین اسی فتنہ کا ایک تیسرا شیڈ ہے۔ یہاں ایک ایسی دنیا تعمیر کی جا رہی ہے جہاں ’’دین‘‘ رہے تو اپنی ایک حاشیائی حیثیت میں اور معاشرے کے کونوں کھدروں میں پڑا رہنا قبول کرتے ہوئے۔ ’’دین‘‘ نہ تو انسان کی دوستی دشمنی میں جھلکے، نہ ’’دین‘‘ انسان کی مرکزی ترین اجتماعی شناخت ہو، نہ ’’دین‘‘ انسان کے قومی و اجتماعی سیٹ اپ کا اساسی جوہر ہو، اور نہ ’’دین‘‘ انسان کی اجتماعی زندگی میں شریعت اور

قانون کا درجہ پا کر رہے۔ مالک کائنات کی آسمانوں میں جو بھی شان ہے اور عبادت خانوں میں اُس کا جو بھی مقام ہے، برسرِ زمین — معاذ اللہ — اُس کی یہ حیثیت نہیں کہ دنیا اس بنیاد پر تقسیم ہو کہ کون اُس کا مومن ہے اور کون اُس کا کافر؛ کون اُس کو معبود لاشریک مان کر اپنی پوری دنیا کو اُس کے آگے جھکا دینا قبول کرتا ہے اور کون اُس کی زمین میں اُس کے ہمسر اور اُس کے مد مقابل لاکھڑے کرتا ہے۔ سب رشتوں اور بندھنوں کا سرچشمہ اُس کی ذات ہو اور انسانی اجتماعیت اُسی کے لیے محبت اور اُسی کے لیے بغض، اُسی کے لیے دوستی اور اُسی کے لیے دشمنی کا دم بھرے، اُسی کے لیے ٹوٹنے اور اُسی کے لیے جڑنے کے قاعدہ و اصول پر استوار ہو اور صرف اُسی کی شریعت پر قائم..... ایسے ”دین“ کے لیے اُن کے اس مجوزہ جہان میں کوئی جگہ نہیں۔ اس کو ہمارے یہاں سے رخصت کروا دینے کے لیے اب وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے ہیں اور اس جنگ میں ہر حد سے گزر جانے پر آمادہ ہیں۔

دوسری جانب، انبیاء ہمیں جس ”دین“ کا پتہ دے گئے وہ اُس وقت تک وجود میں ہی نہیں آتا جب تک آدمی ملتِ کفر سے بیزاری نہ کر دے اور جب تک اللہ لاشریک کی عبادت کو اور اُس کے رسول سے اٹوٹ وابستگی اور اُس کی شریعت کے مطلق اتباع کو اپنی زندگی اور اپنے اجتماع کی واحد بنیاد نہ مان لے:

”انبیاء“ کی بعثت کے ساتھ ہی جہان میں دو ملتیں وجود میں آ جاتی ہیں اور دونوں کے مابین ایک نہ ختم ہونے والی عداوت۔ سب دوریاں اور ہجرتیں اسی ایک چیز کی پیدا کردہ ہوتی ہیں؛ کوئی ’حقوق‘ کا مسئلہ اور نہ ’محرومیوں‘ کی کہانی۔ صرف اور صرف..... ”عبادۃ اللہ وحدہ“ اور ”عبادتِ غیر اللہ“ کا مسئلہ ان دونوں کے بیچ ایک لکیر کھینچتا ہے اور پھر یہ لکیر تاقیامت امنٹ ہوتی ہے۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے، یہ لکیر

اپنی جگہ رہتی ہے۔ توحید کی قاموس نسل آدم کے مابین ”سرحد“ کا کوئی معنی اور مفہوم بتلاتی ہے تو وہ بس یہی۔ ”سرحد“ کا یہ وہ تصور ہے جو آج ایک بڑی سطح پر غائب ہے (کیونکہ توحید کا مجرد علم ہی ایک بڑی سطح پر آج مفقود ہے) اور جو کہ باقی سب لکیروں کو ملیا میٹ کر دینے کے بعد ہی اذہان میں جگہ پاتا ہے۔ ”نبی کی بعثت“ ایک باہم شیر و شکر قوم کی زندگی میں ایسے ہی ایک ”نئے“ واقعے کو جنم دے ڈالنے کا نام ہے: ایک ہی قوم، ایک ہی دھرتی کے فرزند، ایک ہی سناجھی معیشت اور معاشرت اور مشترکہ مفادات کے حامل ”ہم وطن“..... نبی کی بعثت کے ساتھ ہی دو متوازی ملتوں میں بٹ جاتے ہیں؛ ان میں ہمیشہ کے لیے جدائی پڑ جاتی ہے اور دونوں کے مابین ایک کھلے پیر اور عداوت کا رشتہ جنم لے لیتا ہے..... تا آنکہ اس عمل کے نتیجے میں ایک بالکل نیا اور یکسر مختلف جہان وجود میں آتا ہے جس کو ”دارالاسلام“ (اسلام کے گھر) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی وطن تھا سو وہ بدلا۔ قومیت تھی سو وہ کچھ سے کچھ ہو گئی۔ اجتماعی شناخت تھی سو وہ بالکل اور ہو گئی۔ شریعت تھی سو اب وہ بالکل اور ہے۔ دستور تھا سو وہ دفن ہوا^(۳) اور اب بالکل ایک نیا دستور ہے اور ان دونوں میں نام کو بھی کوئی خلط نہیں۔ اس نئی اجتماعیت میں دوسری ملت کے لیے کوئی گنجائش ہے تو وہ ”ذمی“ کی حیثیت میں؛ ایک ایسی ’کیٹیگری‘ جو آج کفار کو ہی نہیں بہت سے مسلمانوں بلکہ داعیان اسلام کو حیرت زدہ کرتی ہے! اس نئی اجتماعیت کو دارالاسلام کہتے ہیں.. اور دورِ اسلام بھی۔ اسی کو اسلامی کیلنڈر اور اسلام کی حیاتِ اجتماعی کا

(۳) نبی ﷺ کے ان زندہ جاوید کلمات میں جو آپ ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے تاریخ ساز موقع پر فرمائے، ہمارے غور و فکر کرنے کے لیے بہت کچھ ہے:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ

(صحیح مسلم کتاب الحج، عن جابر بن عبد اللہ، باب حجة النبی ﷺ رقم الحديث: 1218)

”خبردار رہو، جاہلیت کے دستور کی ہر شے منسوخ ہو کر میرے قدموں کے نیچے“

نقطہ آغاز مانا جاتا ہے، جبکہ اس سے ماقبل جو اجتماعیت پائی جاتی تھی اُس کے لیے صرف ایک لفظ ہے: دَورِ جاہلیت۔ اور اس سے باہر جو اجتماعیت ابھی تک پائی جا رہی ہے اُس کا صرف ایک وصف ہے: دَارِ جاہلیت۔ محمد ﷺ کا جہان میں مبعوث ہونا ایک مسلمان کے لیے یہ سب دلائیں ساتھ لے کر آتا ہے؛ اور ان دلائلوں کو مانے بغیر اپنے آپ کو محمد ﷺ کا حلقہ بگوش جاننا اور محض آپ ﷺ کی سیرتیں اور نعتیں پڑھ آنے کو آپ ﷺ سے وابستگی کے لیے کافی خیال کرنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔ کفر سے ٹوٹنا اور اسلام کے لیے الگ تھلگ ایک جہان بسانا خواہ وہ چند نفوس پر ہی مشتمل کیوں نہ ہو... ملتِ شرک سے بیزاری دکھانا.. نہ صرف بتوں سے بلکہ بتوں کی عبادت کرنے والوں سے نہ صرف عداوت کرنا بلکہ اس عداوت کو باقاعدہ ریکارڈ پر لے کر آنا اور اس کے مقابلے میں صرف اہل توحید سے اپنی وفاداری اور وابستگی کو ہی اپنی پہچان اور اپنی اجتماعیت کی بنیاد ماننا..... یہی ملتِ ابراہیمؑ ہے؛ یعنی ابراہیمؑ کا طریقہ۔ اور ابراہیمؑ کے اس طریقے سے جو اُس نے خدا کی فرماں برداری میں ملتِ شرک کے مد مقابل اختیار کیا تھا بے رغبتی برتنے والے 'نیکوکار' جو خدا کو محض ایک 'مجموعہ عقائد' اور ایک 'مجموعہ اخلاق' اور ایک 'مجموعہ عبادات' کے ذریعہ سے ہی راضی کر لینے پر مصر ہوں، اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں۔

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ (البقرة: ۱۳۰)

”اور کون ہے جو ملتِ ابراہیمؑ سے اعراض کرے، سوائے یہ کہ اپنے آپ ہی

کو بے وقوف بنائے“

قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ وَالَّذِي

(اشعراء: ۷۵-۸۲)

أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ

ابراہیم نے کہا: دیکھو یہ جن کو تم پوجتے آئے ہو، تم بھی اور تمہارے بڑے بھی... یہ سب میرے دشمن ہوئے۔ سوائے ایک رب العالمین کے جو میرا پیدا کرنے والا ہے اور مجھے ہدایت دینے والا۔ جو مجھ کو کھلانے اور پلانے والا ہے اور جب بیمار پڑوں تو مجھ کو شفا یاب کرنے والا۔ اور جو مجھ کو مارنے اور جلانے والا ہے۔ اور جس سے میری یہ طمع وابستہ ہے کہ روزِ جزا وہ میری خطائیں بخش دے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

(الزخرف: ۲۶-۲۸)

جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا: میں بیزار ہوا ان تمام ہستیوں سے جنہیں تم پوجتے ہو، سوائے اُس ذات کے جس نے مجھے پیدا کیا اور پھر وہی مجھے ہدایت دینے والا ہے۔ اسی چیز کو ابراہیم اپنے پیچھے باقی رہنے والا کلمہ بنا گیا، تاکہ وہ (بعد والے) اس کی طرف لوٹ آتے رہیں۔

وَأَعْتَزِّلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَا أَكُونَ

(مریم: ۴۸)

بُدْعَاءَ رَبِّي شَقِيًّا

میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگ کر محروم نہ رہوں گا

(ترجمہ جونا گڑھی)

قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي
فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ
اتَّحَاجُّونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ (الانعام: ۷۸-۸۰)

ابراہیم نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! میں بیزار ہوا ان سب چیزوں سے
جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں اپنا رخ سونپتا ہوں اُس ہستی کو جس نے
آسمانوں اور زمین کو عدم سے وجود دیا، ایک اُسی کا ہو کر، اور اب میں مشرکوں کا
حصہ نہیں۔ یہاں؛ اُس کی قوم اُس سے الجھ پڑی۔ ابراہیم نے کہا: کیا تم مجھ
سے الجھتے ہو اللہ رب العزت (کے حق) کے بارے میں؟ حالانکہ اُس نے مجھے
راہِ راست دکھلا دی ہے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا
لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ
وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ

(الممتحنة: ۴)

تمہارے لیے لائق اتباع مثال ہے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کی؛ جبکہ
انہوں نے اپنی قوم سے بر ملا کہہ دیا: ہم بیزار ہوئے تم سے اور جن ہستیوں کو تم
اللہ کے ماسوا پوجتے ہو اُن سے۔ کفر کیا ہم نے تم سے۔ کھلی عداوت اور پیر ہوا
ہمارے اور تمہارے درمیان جب تک کہ تم ایک اللہ پر ہی ایمان نہ لے آؤ^(۴)

بہت کم حجاج کرام ہوں گے جو پورے شعور کے ساتھ خدا کے اُس ”گھر“ کا
طواف کر کے آتے ہوں جس کی تعمیر کی کہانی میں ایک ”بت خانے“ کے ڈھائے جانے
کا ذکر اس گھر کی تعمیر سے پہلے آتا ہے! وہ حجاج کرام جو ہزاروں میل کا سفر توحید کے

اُس قدیم ترین مرکز کی زیارت کے لیے اختیار کرتے ہوں اور اس میں پائی جانے والی ایک ایک یادگار (مشاعر) پر مناسک ادا کر کے آتے ہوں جو شرک کی ایک دنیا کو

(۴) ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کا یہ رویہ جس کو اہل کفر کے مد مقابل اپنانے کے حوالہ سے قرآن ہمارے لئے ”اسوۃ حسنۃ“ قرار دیتا ہے (بحوالہ سورۃ الممتحنہ آیت ۴)، اس کی بابت آپ کو یہاں کچھ عجیب و غریب توجیہات سننے کو ملیں گی:

۱- مثلاً یہ اشکال کہ: یہ اعلانِ عداوت تو ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی جانب سے اُس وقت کیا گیا جب اُن کی قوم کا ظلم و تعدی حد سے بڑھ گیا۔ مراد یہ کہ اگر وہ اُن پر ظلم و ستم کے پہاڑ نہ توڑ رہے ہوتے (اور بین المذاہب قربت و ہم آہنگی کی وہ پیش کش کھلی رکھتے جو کہ آج زوروں پر ہے!) تو اس اعلانِ عداوت کی ضرورت ہی سرے سے پیش نہ آتی! حالانکہ اس کا جواب اسی آیت کے اندر موجود ہے: ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی جانب سے یہ اظہارِ عداوت محض قوم کے ظلم و ستم کے باعث ہوتا تو اُن کو حَتَّى تُوْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحَدُّهُ لَعْنِیْ ”تا وقتیکہ تم ایک اللہ پر ہی ایمان نہ لے آؤ“ کی بجائے یہ کہنا چاہئے تھا کہ ”تا وقتیکہ تم اپنا یہ ظلم و ستم نہ چھوڑ دو اور ہمیں حریتِ فکر یا حریتِ اظہار سے بہرہ مند نہ ہو جانے دو! جبکہ حَتَّى تُوْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحَدُّهُ کے الفاظ واضح دلیل ہیں کہ یہ عداوت دینی ہے جو کہ اہل توحید اور اہل شرک کے بیچ ہوتی ہے نہ کہ محض مذہبی تشدد کا کوئی رونا۔

۲- ایک اور اشکال یہ کہ: یہ آیت فتح مکہ سے ماقبل منظر نامے سے متعلق ہے جب دو فریقوں کے مابین ویسے ہی تلواریں نکل آئی ہوئی تھیں اور ہوتے ہوتے یہ جنگ اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اس کا جواب بھی خود اسی آیت کے اندر موجود ہے۔ جو نمونہ اس عداوت کے معاملہ میں آیت کے اندر واجب الاتباع ٹھہرایا گیا وہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا ہے، جن کی زندگیوں میں ’تلواریں نکل آنے‘ کی صورت ہی سرے سے پیش نہیں آئی! پس یہ کوئی جنگی حالت سے متعلقہ ہدایات نہیں بلکہ اُس عداوت کا بیان ہے جو اہل اسلام اور اہل کفر کے مابین منجانبِ خداوندی رکھ دی گئی ہے اور جس کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جو توحید کی اجد سے ناواقف ہے۔

خیر باد کہہ دینے کے بعد معرضِ وجود میں آیا تھا۔ اور جو کہ ”تَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ“ ایسے کچھ کلمات کا ہی ایک زندہ اور جیتا جاگتا ترجمہ تھا۔ اور پھر اس سے تین سو میل کے فاصلے پر ایک اور مقدس شہر: جس کی تاسیس کا کوئی اور سبب بیان ہونے میں نہیں آتا سوائے توحید اور شرک کی اُس لڑائی کے جو سید البشر ﷺ کے اپنی قوم، قبیلہ، ملک اور دھرتی سے ناطہ توڑ لینے.. اور اُس کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر ایک پردیس کو ہی اپنا دیس قرار دے لینے.. نیز اسی ”پردیس“ کو اپنے ملکی و قومی رشتہ داروں کے خلاف جہاد کا بیس کمپ بنا لینے کا موجب ہوئی تھی..... وہ زائرین جو اس شہر سے جس کو ”یثرب“ کہنا متروک ہو چکا، ”مدینہ“ اور ”تمدن“ اور ”اجتماع و عمران“ کے کچھ برگزیدہ آسمانی مفہومات لے کر اپنے گھروں کو لوٹے ہوں!



آج ہمارے ہاتھ سے ہماری اُس قیمتی ترین متاع کو جو ”تَبَرَّأْتُ مِنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ“ کے الفاظ میں بیان ہوتی ہے اور رہتی دنیا تک کے لیے ہمیں انبیاء کے کمپ کا بلا شرکتِ غیرے وارث اور امین بناتی اور ہمیں معیتِ خداوندی کا استحقاق دیتی اور نصرتِ خداوندی کا امیدوار ٹھہراتی ہے، ہمارے ہاتھ سے چھین لے جانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا چکا ہے۔ اس ہدف کو مختصر ترین وقت میں حاصل کرنے کے لیے ناقابلِ اندازہ وسائل جھونک دیے گئے ہیں۔ ”تعلیم“، ”ابلاغ“، ”ذہن سازی“ اور ”تہذیبی روئیوں کی تشکیل نو“ کے نام پر آج ہمارے گھر میں ہزاروں چور گھس آئے ہیں۔^(۵) آپ ہی سوچئے، اس گھر کے پاسبان ہمارے اہل علم و دانش کے سوا کون ہو سکتے تھے جو قرآنی ہتھیاروں سے کام لے کر ہمارے گھر میں ہونے والی اس ابلیسی واردات کے

(۵) مزید تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیے ہمارا پمفلٹ ”مسلم معاشرے بڑھے لکھے بھیڑیوں کے زرعے میں“

آڑے آتے؟ کسے معلوم نہیں، ہمارے یہ پاسبان اگر جاگ رہے ہوتے تو چور یہاں پر کامیابیوں کے جھنڈے نہ گاڑتے۔ ہمارے حاملین قرآن چاہے کچھ نہ کرتے اپنی پرہیزگار آواز سے ماحول کو صرف خبردار رکھتے تو چوروں کو یہاں ایک حیران کن مزاحمت ملتی۔ یہ بیدار ہوتے تو امت بیدار ہوتی اور تب ہر چوک اور چوراہے پر یہاں چوروں کی شامت آئی ہوتی۔ اس عظیم الشان امت کو کمی ہے کس چیز کی، سوائے ”جاگتے رہو“ کی گونج دار آوازوں کے؟! حق تو یہ ہے کہ خود چور ہی جو کہ حد سے بڑھ کر سمجھدار ہیں اور ”شہاریات“ میں طاق، اس گھر کا رخ نہ کرتے اگر اُن کی اپنی ”تحقیقات“ نے اُن پر واضح نہ کر دیا ہوتا کہ اس گھر کے محافظ خوابِ خرگوش میں مست ہیں؛ ایک ایسا نایاب و ناقابل یقین موقع جو اس بابرکت گھر میں نقب زنوں کو شاید ہی کبھی نصیب ہوا ہو!

مگر حق یہ ہے کہ یہ ”موقع“ جو اُن کو آج دستیاب ہے، اس سے کہیں بڑھ کر گھناؤنا اور تشویشناک ہے.....

اس سے پہلے بھی شاید بہت بار ایسا ہوا ہو کہ ہمارے مسلم داعی اور ہماری اسلامی تحریکیں کسی وجہ سے مضحل اور غیر فعال ہو گئی ہوں اور نتیجتاً وقت کے چیلنج پر پورا نہ اتر پارہی ہوں۔ لیکن ایسا بہت کم ہوا ہوگا کہ ہمارے مسلم داعی اور مسلم تحریکیں بیرونی حملہ آوروں کے ایجنڈا میں ہی ”اپنے لیے مخصوص جگہ“ تلاش کرنے نکل کھڑی ہوئی ہوں۔ ایسا بہت کم ہوا ہوگا کہ ”اسلام“ اور ”قرآن“ کا ترجمان طبقہ ہی باطل کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہونے لگا ہو..... آج ہمارا بحران درحقیقت اس حد کو چھو چکا ہے۔

پس یہ ایک دہرا نہیں بلکہ تہرا چیلنج ہے۔ صرف اتنا نہیں کہ آپ یہاں کے اُن طبقوں کو جگائیں جنہیں قوم کو جگانا تھا؛ آج نوبت یہاں پہنچی ہوئی ہے کہ..... وہ طبقے جنہیں اس قوم کو جگانا تھا، پہلے آپ انہیں باطل کے نظریاتی چنگل سے آزاد کروائیے!

ایک عرب موحد عالم نے بڑی دیر پہلے یہ دکھ بھرا جملہ کہا تھا کہ: آج ہمارا داعی طبقہ ہی سب سے بڑھ کر دعوت کا ضرورت مند ہے!

وائے ناکامی!

تو پھر آج یہ صورت حال ہے کہ: اس گھر کے بہت سے محافظ، وارثانِ دین و دانش خود اس واردات ہی کا حصہ بنائے جا چکے۔ دین اسلام کی حقیقت پر مٹی ڈالنے کا کام یوں بھی ان کی مدد اور تعاون کے بغیر عالم اسلام کے اندر کیونکر تکمیل پاسکتا ہے.....؟

ایسی انہونی واردات ہم نے اپنی پوری تاریخ میں بھلا کب دیکھی تھی!



دنیا جانتی ہے، نظریاتی سطح پر اس وقت عالم اسلام میں دشمن کے دو بڑے پراجیکٹ ہیں:

ایک: دین اسلام کی حقیقت کو دھندلا کرنا، خاص طور پر کفر و اسلام کے فرق کو ملیا میٹ کرنا؛ (وہ جانتے ہیں، یہاں سے بے شمار مسائل کا خود ہی گھونٹ بھرا جائے گا، خصوصاً مسلمانوں کے تصورِ جہاد کا)۔ ”بین الملل رواداری“ کی تحریک سمجھئے اس کا ہر اول ہے۔ اس سے پچھلی صف میں ”فکرِ ارجاء“ کے تہہ در تہہ غول کھڑے ہیں جو کچھ نہایت ”علمی بنیادوں“ پر مسئلہ ایمان و کفر کو ”خارج“ کا کھڑا کیا ہوا ایک فتنہ ثابت کریں گے (ورنہ صوفیہ نے کہاں کبھی ”مسلم“ اور ”کافر“ کا فرق کیا تھا!)، پھر نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری!

دوسرا: مسلمانوں کو ان کے عقائدی و فقہی مسلمات سے برگشتہ کرانا۔ شریعت کے فہم و تعبیر کے سلسلہ میں مسلمان جس طرح قدم قدم پر ”پیچھے“ مڑ کر دیکھتا ہے.. ”آئین نو

سے ڈرنے اور طرزِ کہن پہ اڑنے کی ایک ذہنیت جو اس میں خواہ مخواہ کہیں سے آکر بیٹھ گئی ہے، اس سے عالمِ اسلام کو اب نجات دلوانا۔ اس 'اینلا ٹنمنٹ' کے پیچھے جو عوامل کارفرما ہیں اب وہ ہر کسی کو سمجھ آتے ہیں: کچھ علمی پیمانے اور فقہی دستور جو مسلمانوں کے یہاں چودہ سو سال سے چلے آ رہے ہیں اور اُن کے مجوزہ 'جہانِ نو' کی راہ میں ہمالیہ کی طرح حائل ہیں، اب ناقابلِ برداشت ہیں؛ اور ان کو لازماً متروک ٹھہرایا جانا ہے۔ (عالمِ اسلام میں اصل تصرف!) البتہ وہ دیدہ دلیر طبقے ابھی یہاں بہت تھوڑے ہیں جو منہ پھاڑ کر کہہ دیں کہ اپنے فقہاء و محدثین کے ہاں اگر کچھ اصول اور قواعد طے پا گئے اور صدیوں چلتے رہے تو بھی ان کی کیا حیثیت ہے، ہم تو دین کے ہر ہر مسئلہ کا فائل ہی آج از سر نو کھولیں گے اور اس کے لیے سب اصول ہم خود ہی وضع کریں گے (اپنے فقہی ورثے کو چیلنج کرنے والا طبقہ) اور جبکہ دشمن کی اصل امیدیں ہمارے اسی دیدہ دلیر طبقے سے وابستہ ہیں، البتہ اس ہونہار برواکے جوان ہونے کا انتظار مشکل ہوا جاتا ہے۔ تاہم ایک بڑی تعداد یہاں ایسی ہے جو اپنی فقہی روایات کے ساتھ "تصادم" کی بجائے ان کو "نظر انداز" کر دینے کی روش پر ہے؛ لہذا اس طبقہ کے ذریعے بھی فی الحال یہ کام نکالا جاسکتا ہے کہ کچھ ایسے جدید نظائر new precedents یہاں پر جاری کروالیے جائیں اور کچھ ایسے بے نظیر رجحانات unprecedented trends اور انوکھی روایات first-time practices کو فروغ دلوالیا جائے جن سے یہ امت چودہ سو سال ناواقف رہی ہے، جبکہ یہ سب جدید نظائر اور یہ سب بے نظیر رجحانات اور یہ سب انوکھی روایات اُن کے اس مجوزہ جہان کی ہی تشکیل کر رہی ہوں!..... ہاں، البتہ اُس فریق کے ساتھ ایک کھلی جنگ.. جو ہر قول کے لیے متقدمین کے نظائر ڈھونڈتا پھرے، جو امت میں پہلے سے طے شدہ مسائل

کے فائل آج نئے سرے سے کھولنے پر معترض ہو، اور جو امت کو قرونِ سلف سے چلے آنے والے علمی و سائیر کی پابندی کروائے۔ اور سب سے بڑھ کر؛ جو دنیا کو ”کفر اور اسلام“ کا فرق بتائے۔ یہ طبقہ تو بلاشبہ گردن زدنی ہے! ”وہابییت“ اور ”سلفیت“ سے بڑھ کر بھلا اس دور میں کیا جرم ہو سکتا ہے!

آپ تسلیم کریں گے..... یہ دونوں پراجیکٹ ایسے ہیں جن میں دینی طبقوں کا پورا پورا تعاون درکار ہے! صرف عدم مزاحمت نہیں..... بلکہ باقاعدہ تعاون! سیاستدان، ڈپلومیٹ، تعلیم کار، میڈیا، سب اپنی اپنی جگہ اہم ہوں گے مگر مذہبی قیادتوں کی اپنی ایک برکت ہے؛ اور یہ مذہبی خانہ کسی اور کے پر کرنے کا نہیں!

آپ اس بربادی کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اندھا دھند وسائل کے مالک ادارے، این جی اوز اور قونصل خانے آج ہمارے مولویوں اور مذہبی پیشواؤں کی قدر افزائی کی جانب متوجہ ہو جائیں!

حضرات! یہ واقعہ عملاً ہو چکا ہے اور مسلسل رُوبہ ترقی ہے۔ آنے والے سالوں میں اب آپ اس کے ثمرات دیکھنے والے ہیں!

فَاللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ، وَلَا تَهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ، وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔



یہ منظر نامہ اگر آپ پر واضح ہے..... تو اس وقت یہاں مقبول کروایا جانے والا ایک ایک ”نیار حجان“ اہم ہو جاتا ہے۔ ایک پوری جنگ ہار دینے کے لیے کسی وقت اپنا ایک ہی محاذ ہار دینا آپ کے حق میں نہایت کافی اور کاری ہوتا ہے؛ کہ کیا بعید دشمن وہاں سے جو راستہ بنائے وہ آپ کے باقی سب محاذ الٹ کر رکھ دے۔ وہ کوئی انتہائی ناعاقبت اندیش سپہ سالار ہو گا جو یہ طرزِ فکر رکھے کہ صرف ایک محاذ چلا جانے سے کیا

فرق پڑتا ہے! اور یوں وہ اپنے سب محاذ 'ایک ایک' کر کے دشمن کو دیتا چلا جائے! (ذرا دو سو سال پیچھے نگاہ دوڑا کر دیکھئے؛ آپ کیا کیا کچھ دے آئے ہیں؛ اور اپنے 'ہنوز دلی دوست' والے اس طرز فکر کا جائزہ لیجئے، جس کی رُو سے ہر بار "اِتنا سا" دے دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہوتا! اور جس کی رُو سے کسی ایک ہی ایشو کو "بڑھا چڑھا دینا" ایک معیوب رویہ ہے!)..... جہاں آپ کو ایسے سپہ سالار نصیب ہوں وہاں دشمن شدید بے وقوف ہوگا اگر سب کچھ آپ سے ایک ہی بار طلب کرے؛ جبکہ ہمارا دشمن بے وقوف نہیں ہے! وہ ایک ہنڈیا کو دھیمی آنچ پر پکانا خوب جانتا ہے اور اگر آپ نظر اٹھا کر دیکھیں تو وہ یہاں اپنے پکوانوں کا ایک عظیم بازار سجا چکا ہے۔ جبکہ ہم اپنے اُسی منہج پر قائم کہ ہم ان بدلیسی اشیاء کو ایک پیکیج کے طور پر کبھی نہ لیں گے بلکہ pick & chose کا وہ زریں اصول ہی لاگو رکھیں گے جس نے چند عشروں میں اس گھر کا سارا نقشہ بدل کر رکھ دیا ہے۔ 'حکومتی اقدامات' کا رونا اب بہت پیچھے رہ گیا؛ یہاں ہمارا وہ سماجی فیبرک تار تار ہو چکا جس سے آج تک ہم نے اپنا تن ڈھانپا تھا! کہاں وہ وقت جب اس گھر کے گر جانے پر ہمارا آہ و گریہ نہ تھمتا تھا؛ اور کہاں یہ وقت کہ اپنی تن برہنگی کا رونا رونا خبط اور انتہا پسندی ہے! فِیَالِی اللہ المَشْتٰکِ

اس پر دشمن سے زیادہ اپنے اس منہج کو داد دینا بنتا ہے جو اپنی تہہ میں 'مرحلہ در مرحلہ' پسپائی کا پورا ایک پروگرام رکھتا ہے اور جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ "شکست" کے ہر بیدار کن جھٹکے سے یہ قوم کو مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے!



ایک ایک محاذ پر ڈٹ جانے کی ریت البتہ ہمیں آج بھی زندہ کر سکتی ہے؛ خصوصاً عقیدہ کے محاذوں پر؛ جو کہ ہماری زندگی کا اصل راز ہے اور دشمن کو مات دینے کا

اصلی اور یقینی نسخہ۔ اور اب تو ہماری جنگ کا اصل میدان۔ جس میں اگر ہم ثابت قدم رہ کر دکھادیں تو ان شاء اللہ ہماری فتح یقینی ہے:

ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

”عقیدہ“ کے محاذوں پر رباط^(۶) آج سب سے بڑھ کر ضروری ہے۔ جس کا ایک ایک مورچہ اس وقت خطرے میں ہے؛ اور جس کا ایک ایک میدان ہمیں دعوتِ عمل دیتا ہے!

اس محاذ پر مسلسل پسپائی آج ہمیں اس مقام پر لاجکی ہے کہ شرک کے تہواروں پر صرف کیک ہی نہیں کاٹے جا رہے، بلکہ اس پورے معاملے میں ہمیں اپنے چودہ سو سالہ دستور سے ہٹ کر ایک نئے اجتہاد کی ضرورت بھی محسوس ہونے لگی ہے، بلکہ کچھ لوگ ہمت کر کے گول مول الفاظ میں ”لا حَرَجَ“ کے راگ الا اپنے بھی لگے ہیں؛ کہ جانتے ہیں باطل کو اپنا آغاز کرانے کے لیے ایک گول مول اسلوب ہی بہت کافی ہوتا ہے؛ وقت ایک ایسا بے رحم فیکٹر ہے کہ ہر گول مول خود بخود ”سپاٹ“ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ابھی یہ رونا جدت پسندوں کا نہیں بلکہ روایات کے محافظ طبقوں کا ہے۔ آپ تصور کر سکتے ہیں کہ پیچ ڈھیلے کرنے کا کام کس سطح پر جا پہنچا ہے!



ہر راستہ اپنے کھلنے کے لیے ایک جہاد اور ایک اجتہاد چاہتا ہے۔ اس کے لیے درکار عملی محنت کو آپ ”جہاد“ کہتے ہیں اور ذہنی محنت کو ”اجتہاد“۔ آپ راہِ حق میں ہوں تو جہاد اور اجتہاد آپ کی ضرورت ہوتے ہیں راہِ باطل میں ہوں تو یہ ہر دو آپ کی

(۶) ”رباط“: یعنی محاذ پر پایا جانا یا اُن خطوں میں ہوشیار اور چوکنا حالت میں موجود رہنا جو دشمن کے حملوں کا ہدف ہو سکتے یا جہاں سے اہل ایمان دشمن پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

ضرورت رہتے ہیں۔ یعنی، یہ آپ پر ہے کہ کس راستے میں آگے بڑھنے کے لیے آپ کو جہاد اور اجتہاد کرنا ہے۔ یہ ”سعی“ کی دنیا ہے؛ جہاں اس ہر دو محنت کے بغیر نہ حق راستہ کھل کر دیتا ہے اور نہ باطل۔

یہاں سے آپ پر اُس اجتہاد کی حقیقت کھلتی ہے جس کا تقاضا اس وقت آپ کا ”دین“ نہیں بلکہ حالات اور ضرورتیں کروا رہی ہیں..... اور جس میں آگے بڑھتے وقت آپ ہر بار ایک داخلی خلجان سے گزرتے ہیں!

آپ کی الجھن آج یہ ہو گئی ہے کہ: وہ راہ ہی جس پر آپ قدم رکھ چکے (۷) اپنی انتہائی صورت میں باطل کے گھر جاتا ہے۔ آپ کی اس راہ کو بند کرنے والا خود آپ کا دین ہے۔ پس یہاں آپ کو جس اجتہاد کی ضرورت پیش آ رہی ہے وہ تاریخ میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد ترین اجتہاد ہے۔ یعنی آپ کا ”دین“ ایک راہ کو بار بار آپ پر بند کرے گا اور آپ کو اجتہاد کی مدد سے اسے بار بار کھولنا ہوگا!

اس کا پائیدار حل یا تو یہ ہے کہ آپ اُس راستے سے جان چھڑالیں جو اپنی انتہائی صورت میں آپ کو باطل کا پیر و کار بناتا ہے..... اور یا پھر اس دین سے جان چھڑالیں جو اُس راستے کو آپ پر بار بار بند کرتا ہے!

اور یہی آپ کا اصل منحصر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ ”حقیقی اجتہاد“ جس کی دُہائیاں پڑ رہی ہیں اور جس کے لیے مستشرقین ایڑیاں رگڑ رہے ہیں، تاحال یہاں کا مشکل ترین کام ہے! ”حالات“ مسلسل زور لگا رہے ہیں مگر اُن کی فرمائش کا ”اجتہاد“ عالم اسلام سے ہو کر نہیں دیتا۔ پورا جہان اس کے لیے چیخ چیخ کر رہ گیا، مگر ہمارا یہ ”اجتہاد“ ہے کہ سامنے آنے سے مسلسل

(۷) ”آپ“ سے مراد: یہاں کا وہ دینی طبقہ جو باطل کے ساتھ مفاہمت اور قربت کی راہ اختیار کرتا ہے

جھک رہا ہے! اس میں رکاوٹ صرف ایک ہے: امت محمد ﷺ میں طبعی شرم کا مادہ خدا نے بے حد و حساب رکھ دیا ہے اور مَنْ شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا^(۸) کی ہمت یہاں کسی کسی رویا کو ہوتی ہے۔ محسوس وہ بھی کر رہے ہیں کہ قرآن پڑھنے والا یہ معاشرہ نہ ”بنی اسرائیل“ ہے اور نہ ”سینٹ پال کی پروردہ امت“۔

یہاں سے؛ یہ منحصر بے اندازہ بڑھ جاتا ہے!

اور اگر صاحب بصیرت داعیوں کی کوئی باصلاحیت جماعت آج میدان میں اتر آتی ہے اور اُن مقامات پر جہاں اس دین کی قوت پوشیدہ ہے اپنی پورا زور دے لیتی ہے..... تو یہ ”منحصر“ دلچسپ بھی بے اندازہ ہے!



مسئلہ کی یہ سنگینی اگر آپ پر واضح ہو جاتی ہے تو قوم کو خبردار کرنے کا کوئی ایک بھی موقع ضائع جانا آپ کو گوارا نہ ہونا چاہئے.....

ایک پوری جنگ ہار دینے کے لیے کسی وقت اپنا ایک ہی محاذ ہار دینا کافی اور کاری ہو سکتا ہے..... تو کسی ایک محاذ پر دشمن کو پسپا کر دینے میں کامیاب ہونا ایک پوری جنگ جیت جانے کے لیے بنیاد بھی بن سکتا ہے!

اور یہ تو عقیدہ کا مسئلہ ہے جو اہل ایمان کے ہاں ہمیشہ سنجیدگی کا متقاضی رہا ہے۔ ”عقیدہ“ ہمارے نظریاتی وجود کا ہی دوسرا نام ہے۔ ”عقیدہ“ سے بڑھ کر کوئی چیز ہمارے لیے حساس نہیں ہوتی۔ اس پر کوئی مصلح خاموش کیسے رہ سکتا ہے.....:

دو عمر میں نصارائے شام کے ساتھ جو صلح نامہ دستخط کیا جاتا ہے اُس کی ایک باقاعدہ شق یہ ہے کہ وہ اپنے شعائرِ دینی اپنے عبادت خانوں میں بندرہ کرانجام دیں

(۸) وَلَٰكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا (النحل: ۱۰۶) ”بلکہ وہ جو دل کھول کر کفر کرے“ (جاندھری)

گے اور ان کو اپنے عبادت خانوں سے باہر لا کر مسلم معاشرے کے لیے باعثِ اذیت نہ بنیں گے (رب العالمین کے ساتھ شرک اور شرکیہ شعائر سے بڑھ کر کوئی چیز مسلم معاشرے کے لیے باعثِ اذیت ہو سکتی ہے؟)۔ ”شروطِ عمریہ“ کے عنوان سے یہ چیز نہ صرف کتبِ تاریخ میں جا بجا مذکور ملتی ہے بلکہ فقہ کی بے شمار کتب میں اس سے استدلال و استشہاد کیا گیا آسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ یعنی ایک مسلم معاشرے میں وہ بخوشی رہیں البتہ اپنے شرکیہ شعائر کو مسلمانوں کے سامنے نہ لائیں؛ کیونکہ مسلم سرزمین میں کفر کا کلمہ ظہور کا مجاز ہے اور نہ علوکا۔ اسی وجہ سے ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اہل اسلام کا کفر کے تہواروں میں جا کر شریک ہونا تو رہی دور کی بات، ان کفریہ شعائر کا اہل اسلام کے سامنے ظاہر ہونا ہی کب جائز تھا؟ مگر آج عام اہل اسلام کی بات چھوڑ دیجئے، فاسق فاجر حکمرانوں اور بے دین سیاستدانوں کی بات بھی بہت پیچھے رہ گئی؛ اہل شرک کے نخرے اور فرمائشیں اب اس سے کہیں آگے جا چکیں؛ آج یہ حال ہے کہ عمائے اور جبے ہی جب تک رونق افزائی نہ کریں تب تک ان کی ”کرسمس“ ادھوری اور بے مزہ رہنے لگی ہے! یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بتوں اور صلیبوں کو جہان بھر میں توڑ کر آنے والی اس امتِ بیضاء کی تاریخ میں اس بڑی سطح پر پہلی بار رونما ہو رہا ہے اور اگر آپ خبروں اور تجزیوں سے کچھ بھی سروکار رکھتے ہیں تو آنے والے دنوں اور سالوں میں اب یہ رجحان ناقابلِ اندازہ ترقی کرنے والا ہے۔ آج آپ دیکھنا چاہیں تو ’علمائے کرام‘، ’وارثانِ علومِ نبوت‘، کو جوق در جوق ’سفارت خانوں‘ کا رخ فرماتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ ہوٹلوں اور گرجوں کے اندر ان تہواروں کے لیے منعقد تقریبات میں (العیاذ باللہ) ”اسلام“ اور ”قرآن“ کی نمائندگی فرماتا دیکھ سکتے ہیں۔ ’علمبردارانِ شریعتِ مصطفوی‘ اور عبادِ صلیب کو ایک ساتھ کھڑے ہو کر ’کرسمس کیک‘ کاٹنا اور مسکراہٹوں سے ایک

دوسرے پر فدا ہوتا ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اپنی مسجدوں اور تراویح میں خوش الحانی کے ساتھ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ
يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ
اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ
قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا
يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ
وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ
لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا
يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ قُلْ يَا أَهْلَ
الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا
مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ لُعِنَ الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا
عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا
كَانُوا يَفْعَلُونَ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ
لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ وَلَوْ
كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا لَهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ
كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ^(۹) کی تلاوت کرنے والے اس عید شرک پر البتہ صرف
'گلے ملنے' اور 'تہنیت دینے' کے روادار ہیں! یعنی قرآنی آیات کی صورت میں اہل کفر
کو جہنم کی وہ سب وعیدیں، اُن پر کفر کی وہ سب فردہائے جرم اور اُن پر خدا کی وہ سب

لعنیں ہماری مسجدوں میں، بغیر شرح و تفسیر.. جبکہ مبارکبادیں اور تہنیتیں اور قربت و محبت کی مکرر یقین دہانیاں اُن کے گرجوں اور اُن کی عید تقریبات کے لیے، واضح الفاظ میں اور پورے شد و مد کے ساتھ!

(۹) (المائدة: ۷۲ - ۸۱) یقیناً کافر ہوئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مریم کا بیٹا مسیح درحقیقت اللہ ہے۔ جبکہ مسیح صاف کہہ گیا: ”اے اولادِ اسرائیل عبادت کرو ایک اللہ کی جو میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے؛ خبردار! جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا، اللہ نے اس پر جنت حرام کر ڈالی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور نہیں ہے ایسے ظالموں کے لیے کوئی مددگار“۔ یقیناً کافر ہوئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ نہیں کوئی خدا مگر ایک ہی خدا۔ اگر یہ اپنی اس جسارت سے باز نہیں آتے تو ان میں سے جتنوں نے اس کفر کا ارتکاب کیا ہے وہ سب عذاب پا کر رہیں گے۔ آخر کیوں یہ خدا کے آگے تو بہ نہیں کرتے اور اُس سے اپنے اس پاپ کی معافی نہیں مانگ لیتے اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مسیح بن مریم کچھ نہیں سوائے یہ کہ رسول ہے۔ اور رسول اس سے پہلے بھی ہو گزرے ہیں۔ اور اس کی ماں ایک راستباز عورت تھی۔ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ دیکھ لو کس طرح ہم ان کے سامنے نشانیاں واضح کیے جاتے ہیں اور پھر دیکھ لو وہ کدھرا لٹے پھرے جا رہے ہیں۔ کہو: کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہارے نقصان کا مالک نہ نفع کا، جبکہ اللہ سننے جاننے والا ہے۔ کہو: اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور اُن لوگوں کے تخیلات کی پیروی مت کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بہک گئے۔ بنی اسرائیل میں سے کفر کرنے والوں پر لعنت فرمائی گئی داؤد اور عیسیٰ بن مریم ہر دو کی زبان سے۔ یہ بدلہ ان کی نافرمانی اور سرکشی کا۔ وہ جو برے کام کرتے اس پر ایک دوسرے کو روکتے ٹوکتے نہ تھے؛ بہت برا ہے جو وہ کرتے تھے۔ تم ان میں بہت کو دیکھو گے کہ کفار سے دوستی کرتے ہیں؛ بہت برا ہے جو ان کے نفس ان کے لیے آگے بھیجتے ہیں؛ یہ کہ اللہ کا ان پر غضب ہوا اور وہ دائمی عذاب میں رہنے والے ہیں۔ اور اگر وہ ایمان لائے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور اس پر اترنے والی (ہدایت) پر تو ہرگز دوستی نہ کرتے کافروں سے مگر ان کے اکثر نافرمان ہیں۔

کیا یہ عجیب نہیں: ہماری عبادات اور ہماری تراویح اُن کو مغضوب علیہم اور ضالین کہے اور اُن پر ”خدا کے غضب“ اور ”قہر“ اور ”لعنت“ کا ذکر کئے بغیر نامکمل۔ جبکہ اُن کے شعائر اور کرسمس ہماری ”نیک تمناؤں“ اور ہماری ”مبارکبادوں“ کے بغیر نامکمل!



حضرات! آنے والے سالوں میں آپ یہاں جو کچھ دیکھنے جا رہے ہیں فی الحال اس کا تصور ہی ہوش اڑا دینے کے لیے کافی ہے۔ یہاں ایسے ایسے فکری طاعون اور سماجی وباں پھوٹنے والی ہیں کہ خدا ہی بچائے ورنہ بڑی خلقت کا ”لقمہ اجل“ بننا یقینی ہے۔ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ دِينَهُ بَعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا^(۱) خدا سے سلامتی مانگئے۔ ”حفاظتی تدبیر“ جس کا ابتدا میں ذکر ہوا اور جو کہ یقینی اثر رکھنے والی ہے، صرف ایک ہے: کتاب اور سنت سے چمٹ رہنے کا وہ ٹھیٹ طریقہ جو چودہ سو سال سے بلا انقطاع چلا آتا ہے اور جو کہ اُمّا بَعْدُ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فَسَى النَّارِ کے الفاظ میں بار بار بیان ہوتا ہے۔ یہ نسخہ آپ پر کہاں تک اثر کرتا ہے، اس کا بہت آسان چیک ہے: ہر نئی بات پر کان کھڑے ہو جانا، اور پیچھے سے چلی آتی بات پر شدید درجے کا چین اور اطمینان محسوس کرنا۔ کوئی چیز ان شاء اللہ آپ کا بال بیکانہ کر سکے گی۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

(۱) ”آدمی صبح مسلمان ہوگا تو شام تک کافر، یا شام کو مسلمان ہوگا تو صبح تک کافر، دنیوی مفاد کے عوض اپنا دین بیچ ڈالے گا“

(صحیح مسلم، عن ابی ہریرۃ: کتاب الایمان، باب الحث علی المبادرۃ بالأعمال قبل تظاہر الفتن، رقم الحدیث: 118)

عقیدۃ الولاء والبراء

شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمۃ اللہ علیہ

الولاء والبراء کا مطلب ہے:

- محبت اور موالات؛ جو کہ مومنوں کے ساتھ ہو
- بغض اور معادات؛ جو کہ کافروں کے ساتھ ہو
- نیز ایک کھلی برأت جو کہ کافروں سے اور کافروں کے دین سے کردی گئی ہو

یہ ہے: الولاء والبراء۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے سورۃ الممتحنہ میں فرمایا ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ
إِنَّا بُرَاءُ أَوْلِيَانِكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا
وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ (الممتحنہ: ۴)

تمہارے لیے لائق اتباع مثال ہے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کی؛ جبکہ

انہوں نے اپنی قوم سے بر ملا کہہ دیا: ہم بیزار ہوئے تم سے اور جن ہستیوں کو تم

اللہ کے ماسوا پوجتے ہو ان سے۔ ہم نے تم سے کفر کیا۔ کھلی عداوت اور پیر ہوا

ہمارے اور تمہارے درمیان جب تک کہ تم ایک اللہ پر ہی ایمان نہ لے آؤ

البتہ اس بغض و عداوت کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان پر ظلم کریں یا ان کے ساتھ

زیادتی کرنے لگیں؛ الا یہ کہ وہ ہمارے خلاف محارب ہوں۔ اس کا مطلب صرف یہ

ہے کہ بطور مسلمان آپ ان سے ایک دلی نفرت اور عداوت رکھیں۔ وہ ہرگز آپ کے

دوست نہ ہوں۔ اس کا یہ مفہوم بہر حال نہیں کہ تم ان کو ایذا پہنچاؤ، یا ان کا کوئی نقصان

کر کے آویا اُن پر ظلم ڈھانے لگو! اگر وہ سلام کریں تو تم اس کا جواب دو۔ ان کو نصیحت اور آموزش کرو اور خیر کی راہ دکھاؤ؛ جیسا کہ اللہ عز و جل نے فرمایا ہے:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ

(العنکبوت: ۴۶)

ظَلَمُوا مِنْهُمْ

اہل کتاب سے نہ جھگڑو مگر اس طریقے سے جو عمدہ ترین ہو، سوائے ان میں

کے وہ لوگ جو ظلم و نا انصافی پر اتر آئیں

اس آیت میں اہل کتاب کا ذکر ہوا ہے، جس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں۔ یہی حکم اُن دیگر کفار کا ہوگا جن کو ہمارے یہاں سے کوئی امان یا عہد یا ذمہ حاصل ہے۔ ہاں اُن میں سے کوئی ظلم کرے تو اس ظلم کا بدلہ ان کو دیا جائے گا۔ بصورتِ دیگر اُن سے عقیدہ کا جھگڑا اور اختلاف محض اور محض عمدہ طریق سے ہی کیا جائے گا۔ جھگڑے میں عمدہ طریق اختیار کرنا مسلمان کے ساتھ بھی ہے اور کافر کے ساتھ بھی؛ باوجود اس کے کہ کافر کے ساتھ وہ بغض بھی برقرار رہے گا جس کا ذکر پیچھے آیت کریمہ کے اندر گزرا ہے۔ نیز اللہ رب العزت کا یہ فرمان:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

(النحل: ۱۲۵)

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ حکمت کے ساتھ اور عمدہ فہمائش کے

ذریعے۔ اور ان سے جھگڑو صرف اُس طریقے سے جو عمدہ ترین ہو

چنانچہ باوجود اس کے کہ آدمی اُن کے ساتھ خدا واسطے کا بغض اور بیرکھتا ہوگا (از روئے آیت سورۃ الممتحنۃ ۴) مگر ان پر کوئی ظلم اور تعدی پھر بھی نہیں کرے گا۔ مسلمان کے لیے یہی مشروع رہے گا کہ وہ ان کو اللہ کے راستے کی طرف بلاتا رہے۔

ان کو رشد و ہدایت کی تعلیم دیتا رہے کہ کیا بعید اللہ کسی دن ان کو راہ حق پر آنے کی توفیق عطا فرمادے۔ اس چیز میں بھی شریعت کے اندر کوئی مانع نہیں کہ آدمی اُن کے ساتھ صدقہ و احسان کرے؛ از روئے فرمانِ الہی:

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الممتحنة: ۸)

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے

گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم

کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

مزید برآں، صحیحین میں یہ حدیث ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اسماء بنت ابی بکر رضی

اللہ عنہا کو ہدایت فرمائی تھی کہ وہ (مکہ سے آئی ہوئی) اپنی ماں کے ساتھ صلہ کا برتاؤ

کرے، اور یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب نبی ﷺ اور اہل مکہ کے مابین متارکہ جنگ کا

ایک معاہدہ (صلح حدیبیہ) ہو چکا تھا۔

اصل مضمون کا ویب لنک:

جس شخص پر غیر مسلموں کو کافر کہنا گراں گزرے

علامہ انور شاہ کاشمیریؒ

☆ ماخوذ از: اکفار الملحدين

جو اسلام کے علاوہ دوسرے مذہب والوں کو کسی بھی وجہ سے کافر نہ کہے:

فرماتے ہیں:

”اسی لیے (یعنی صریح اور مجمل علیہ نصوص میں تاویل و تحریف کرنے والے کی تکفیر کے یقینی ہونے کی وجہ سے) ہم ہر اس شخص کو بھی کافر کہتے ہیں جو اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب کے ماننے والے کو کافر نہ کہے، یا ان کو کافر کہنے میں توقف (وتردد) کرے، یا ان کے کفر میں شک و شبہ کرے، یا ان کے مذہب کو درست کہے، اگرچہ یہ شخص اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہو، اور اسلام کے علاوہ ہر مذہب کو باطل بھی کہتا ہو، تب بھی یہ غیر مذہب کو کافر نہ کہنے والا، خود کافر ہے، اس لیے کہ یہ شخص ایک مسلم کافر کو کافر کہنے کی مخالفت کر کے خود اسلام کی مخالفت کرتا ہے، اور دین پر کھلا ہو طعن اور اس کی تکذیب ہے (مختصر یہ ہے کہ کسی بھی دین اسلام کے نہ ماننے والے کو کافر نہ کہنا، دین اسلام کی مخالفت اور تکذیب کے مترادف ہے، لہذا یہ شخص کافر ہے)۔“

(اکفار الملحدين صفحہ نمبر 221)

☆ ”اکفار الملحدين“ علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مایہ تصنیف ہے۔ عربی سے اردو ترجمہ از مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ (استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، کراچی) کے قلم سے ہوا ہے اور مکتبہ لدھیانوی سے شائع ہوئی ہے۔ اوپر کی عبارت میرٹھی صاحب والے ترجمہ سے من و عن دی گئی ہے۔ ذیلی عنوانات بھی ہمارے دیے ہوئے نہیں۔

اتمامِ حجت سے کیا مراد ہے؟

حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی تصانیف میں تکفیر سے پہلے (منکرین پر) اقامتِ حجت کا جو تذکرہ فرماتے ہیں، اس سے مراد صرف ”ادلہ“ و احکام شرعیہ کی تبلیغ ہے، (نہ کہ ان کو منوالینا اور لا جواب کر دینا) جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں (جو کہ صفحہ 201 پر آتی ہے) ”قاعہ“ کے الفاظ سے ظاہر ہے (کہ مرتد کو صرف اسلام کی دعوت دینا کافی ہے، اگر قبول نہ کرے تو اس کو قتل کر دو) اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خیر کے یہودیوں کو صرف دعوتِ اسلام دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے اسی اکتفا تبلیغ پر ”اخبار الاحاد“ کے ذیل میں ایک باب قائم کیا ہے، حضرت مصنف فرماتے ہیں سورۃ انعام کی آیت کریمہ: ”وَأَوْحَىٰ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَ مَنْ بَلَغَ“ سے بھی اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

(اکفَارُ الْمُلْحِدِينَ صفحہ نمبر 232)

دوزخی ملتوں سے بیزاری

اقتباسات از: اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ
مُخَالَفَةُ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ

تالیف: شیخ الاسلام رفیق الدین احمد ابن تیمیہؒ
اردو استفادہ (بصورت اقتباسات)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک شاہکار تصنیف:
اِقْتِضَاءُ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ مُخَالَفَةُ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ۔ اس
عنوان کا لفظی ترجمہ یوں بنے گا:

”تقاضا کرنا صراطِ مستقیم کا، کہ راستہ علیحدہ کیا
جائے اصحابِ دوزخ سے۔“

کتاب کا یہ عنوان اور اس کے جملہ موضوعات سورۃ
فاتحہ کے جزو ثانی کے گرد گھومتے ہیں { قَسَمْتُ الصَّلَاةَ
بَيْنِي وَبَيْنَ عِبْدِي ”میں نے نماز (فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے مابین

نوٹ: کتاب کے جس نسخے سے ہم نے استفادہ کیا ہے وہ شیخ حامد الفقی مرحوم کا تحقیق شدہ نسخہ ہے،
جس کو بعد ازاں شیخ ناصر عبدالکریم العقل نے اپنے پی ایچ ڈی مقالے کا موضوع بنایا ہے۔ ہر قطعہ کے
اختتام پر، ہم نے اصل کتاب کے صفحات نمبر کا حوالہ دیا ہے اور یہ صفحات نمبر شیخ ناصر کی تحقیق و مراجعہ پر
مبنی نسخے کے مطابق ہیں۔ سرخیاں اور حواشی ہمارے دیے ہوئے ہیں۔

اصل عربی کتاب کا ویب لنک: <http://www.islamhouse.com/p/102361>

ادارہ ایقظا اس پوری کتاب کا اردو استفادہ پیش کرنے کا بھی ارادہ رکھتا ہے۔ اس کتاب کا جو
واحد (ہمارے علم کی حد تک) اردو ترجمہ \ اختصار مارکیٹ میں دستیاب ہے اس میں کتاب کے
اصل مباحث تقریباً ناپید ہیں۔

”تقسیم کر دیا ہے“ { کی روسے سورت فاتحہ میں ”بندے کا حصہ“۔ ”عبد کی طلب“۔

یعنی مَنْزِل: خدا (رَحْمَن ورحیم، مالکِ یوم الدین، جس کی یکتا ذات عبادت اور استعانت کا اصل محل ہے) اور راستہ: شرائع کا۔ سورت کے مختصر ہونے کے باوجود ”راستے“ کا مبحث البتہ طویل ہو جاتا ہے؛ اور جو کہ ”نمازی“ کی ڈھیروں توجہ چاہتا ہے: صراطِ مستقیم (سیدھا راستہ) ایک مجرد تصور رہتا ہے اور اس کا تعین ہونا شدید مشکل، جب تک کہ دو کام نہ ہولیں:

۱۔ ایک اُن لوگوں کی شناخت جو اس راستے میں آپ کے پیشرو ہیں۔ یعنی ”أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“۔ یہاں سے ایک ”وابستگی“ اور ”اتباع“ کا معنی پھوٹتا ہے۔

۲۔ دوسرا: وہ لوگ جن کا راستہ اس شاہراہ سے جدا ہو گیا مگر ان کا دعویٰ بدستور ہے کہ وہ شاہراہِ حق پر ہیں، اُن کی راہ سے بیزار ہونا؛ یعنی ”غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ“۔ یہاں سے ”علیحدگی“ اور ”دوری“ اور ”براءت“ کا ایک معنی نکلتا ہے۔

یہاں سورت ختم ہوتی ہے اور یہاں آپ کا مدعا پورا ہوتا ہے..... یا یوں کہیے آپ بندگی کی ”شاہراہ“ پر چڑھ آتے ہیں اور ”آمین“ کہہ کر اپنی اس طلب کو سرِ بمر کر دیتے ہیں!

ابن تیمیہؒ کی یہ کتاب سورۃ فاتحہ کے اسی جزو دوم سے بحث کرتی ہے، یعنی ”راستے کے مباحث“۔ سورۃ فاتحہ کے یہ مباحث اپنی پوری عمارت اس بنیاد پر اٹھاتے ہیں کہ: دو فریقوں کے مابین آب کو ایک لکیر کھینچنا ہے اور اسی کو گہرے سے گہرا کرتے جانا ہے؛ ”راستہ“ خود بخود واضح ہوتا چلا جائے گا! یہاں سے؛ ”دو فریقوں“ کا وجود پانا اور ان کے مابین ایک بعد المشرقین کا جنم لینا دنیا و آخرت کی سب سے بڑی حقیقت بن جاتا ہے؛ اور اسی چیز کو اسلامی تصور اور اسلامی عقیدہ کی بنیاد بننا ہے:

دنیا کے لحاظ سے:

ایک جانب وہ جن پر انعام ہوا اور ہدایت نصیب ہوئی اور ایک جانب وہ جن پر غضب ہوا یا جن سے ہدات کا دامن چھوٹ گیا۔

اور آخرت کے لحاظ سے:

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (الشوری: ۷)

اس ”فرق“ کا روپوش ہونا درحقیقت ”راستہ“ گم ہونا ہے۔ اور راستے کا گم ہونا ”منزل“ کا چھوٹ جانا!

اردو استفادہ کی صورت میں یہاں ہم کتاب کے چیدہ چیدہ مقامات پیش کریں گے۔

گھپ اندھیرا تھا تو محمد ﷺ مبعوث ہوئے

یہ بات نہایت خوب سمجھ لو:

دنیا میں رسولوں کی آمد کا سلسلہ بڑی دیر سے بند تھا (عَلَىٰ فِتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ) جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا۔ یعنی وہ وقت جب اہل زمین، عرب کیا عجم، سب خدا کے ہاں ردّ اور ناقبول تھے^(۱)۔ کچھ ہوں گے تو اہل کتاب کے اکاد کا باقیات؛ اور یہ بھی دنیا چھوڑ نہیں چکے تو عنقریب چھوڑنے والے تھے۔

(۱) اشارہ ہے صحیح مسلم کی اس حدیث کی طرف:

وَإِنَّ اللَّهَ نَظَرَ إِلَىٰ أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَّتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَقَالَ إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْنَيْكَ وَأَبْنَيْكَ بِكَ، وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرُؤُهُ نَائِمًا وَيَقْطَاطُ۔

(رواہ مسلم، عن عیاض بن حمار المجاشعی، کتاب الحنة و صفة نعيمها و أهلها، باب

الصفات التي يعرف بها في الدنيا۔۔ رقم: ۲۸۶۵)

اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نگاہ فرمائی تو ان کے سب عرب و عجم سے بیزار ہوا، سوائے کچھ بچے کچھ اہل کتاب (شرح نووی: یعنی اہل کتاب کے وہ معدودے چند لوگ جو اپنے اصل دین حق پر بغیر تبدیلی کے باقی تھے) اور فرمایا (اے محمد) میں نے تجھے مبعوث فرمایا ہے اس لیے کہ تجھے آزماؤں اور تیرے ذریعے آزماؤں۔ اور تجھ پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جسے پانی نہ دھو سکے (شرح نووی: یعنی جو سینوں میں محفوظ ہوگا اور تغیراتِ زمانہ اس کو مٹانہ سکیں گے) جس کو تو سوتا جا گتا پڑھے گا۔

فَمَقَّتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ لفظ مقّت کے معنی میں امام نووی کہتے ہیں: أَشَدُّ الْبُغْضِ - یہی لفظ قرآن میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ غافر (آیت ۱۰) میں: لَمَقْتُ اللَّهُ أَكْبَرُ مِنْ مَقَّتِكُمْ لِأَنْفُسِكُمْ، یہاں پر بیشتر اردو تراجم میں اس کا معنی ”بیزاری“ کیا گیا ہے۔

ابن تیمیہ کتاب کی عین ابتداء میں یہ بحث لائے ہیں کہ: چودہ سو سال پہلے ہی جملہ اہل زمین سے اللہ رب العزت کی بیزاری ہو چکی ہے؛ پوری انسانیت خدا کے ہاں ردّ disapproved تھی اور ہے، سوائے اُن خوش بختوں کے جو (بصورتِ اسلام) محمد ﷺ کے ذریعے دی جانے والی آزمائش میں پورا اتریں اور خدا کے ہاں سرخرو ہوں۔ گلوبلائزیشن کی دہلیز پر قدم رکھنے کے لیے پہلا سبق!

دنیا تب دو ہی قسم کے انسانوں پر مشتمل رہ گئی تھی:

ا یا کتابی: یعنی جو کسی آسمانی کتاب سے وابستہ ہو لیکن وہ کتاب تبدیل ہو چکی ہوگی، یا بیک وقت تبدیل بھی ہوگی اور منسوخ بھی، یا پھر سرے سے ناپید یعنی اس کا علم نابود اور عمل متروک۔

ب یا اُمی: یعنی جو سرے سے کوئی کتاب نہیں رکھتا خواہ وہ عرب سے ہو یا عجم سے، بس اس کو جو اچھا لگا یہ اس کو پوجنے لگا اور خیال کیا کہ یہی اُس کے لیے بھلا ہے، کوئی ستارہ پوجنے میں لگا ہے کوئی بت تو کوئی قبر تو کوئی مورت۔ وغیرہ

غرض انسانیت جاہلیت کی بدترین حد کو چھوتی تھی۔ جن عقائد کو علم سمجھا جاتا وہ جہل ہوتا۔ جن اعمال کو صلاح سمجھا جاتا وہ فساد ہوتا۔ کوئی بڑا ہی خوش قسمت ہوا تو اُس کو علم یا عمل کی کوئی ایسی صورت میسر آ گئی جو انبیاء کے ترکے سے باقی رہ گئی تھی؛ البتہ حق اور باطل اس میں بھی گڈمڈ، اور تمیز دو بھر۔ عبادت کے اعمال ہو رہے تھے مگر ان کا کچھ ہی حصہ ہوگا جو خدا کی جانب سے مشروع ہو؛ اکثر انسان ساختہ تھا جو اصلاحِ نفس کی صلاحیت سے قریباً عاری تھا۔

یا پھر عقل اور فلسفہ کی پیشوائی تھی۔ قلب و نظر کی سب دولت طبعیات اور ریاضیات کی نذر ہو جاتی۔ اصلاحِ اخلاق کے نسخے مشقت کا دوسرا نام تھا؛ جان جو کھوں کی محنت بھی کچھ ثمر نہ دیتی اور اگر دیتی تو وہ انتہائی ناکافی، جس سے انسانیت کی بھوک مٹے اور نہ پیاس۔ پھر وہ بھی ایک ایسی مضطرب حالت میں کہ اس کا باطل عنصر، حق سے کئی گنا بڑھ کر۔ ساتھ میں سر پھٹول اور کثرتِ آراء؛ بحثیں حد سے زیادہ اور دلیلیں ناپید۔

یہ وہ وقت تھا جب اللہ نے نبوتِ محمد ﷺ کی برکت سے انسانیت کو ہدایت بخشی۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی بینات اور ہدیٰ کے ذریعے اہل زمین کا بیڑہ پار لگایا۔ ایک ایسی

ہدایت جس کی تجلی لفظوں کے بیان سے بالاتر ہے اور بڑے بڑے عارفوں کے اندازے سے بڑھ کر ہے۔ تا آنکہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والی امت کو عموماً اور اس امت کے اہل علم کو خصوصاً ایک ایسا کمال کا علم نصیب ہوا اور ایک ایسے اعلیٰ عمل صالح، برگزیدہ اخلاق اور راستی پر مبنی سنتوں اور ضابطوں کا سراغ ملا۔ کہ اگر تمام قوموں کی حکمت اور دانائی جمع کر لی جائے، علم کی صورت میں بھی اور عمل کی صورت میں بھی، اور اس کے سبب شوائب بھی اُس سے نکال دیے جائیں، تو اقوام عالم کی یہ سب حکمت و دانائی مل کر بھی اُس علم و دانش کے آگے جسے لے کر محمد ﷺ مبعوث ہوئے پر کاہ کی حیثیت نہ رکھے۔ جس پر تعریف کیجئے تو اللہ وحدہ لا شریک کی۔

اس بحث کے دلائل اور شواہد بیان کرنے کا البتہ یہ مقام نہیں۔

اور یہ بھی خوب سمجھ لو:

اللہ رب العزت نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا دین اسلام دے کر جو کہ مطلق حق ہے؛ صراطِ مستقیم ہے تو بس یہ۔

تب اُس نے مخلوق پر فرض ٹھہرا دیا کہ یہ ہر نماز میں اُس سے سوالی ہوں کہ وہ انہیں اس صراط کو پانے اور اس پر برقرار رہنے کی ہدایت نصیب کرے۔ ساتھ اس صراطِ مستقیم کا وصف بیان فرما دیا کہ یہ اُن خاص لوگوں کا راستہ ہے جن پر اُس نے انعام کیا، اور وہ ہیں اُس کے نبی، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اتنا ہی نہیں؛ یہ بھی بتا دیا کہ یہ اُن لوگوں کے راستے سے ہٹ کر ایک راستہ ہے جن پر اُس کا غضب ہوا یعنی یہود یا جو راہ بھٹک گئے، یعنی عیسائی۔

ہر رکعت میں تمہیں اسی بنیادی سبق کا اعادہ کرنا ہوتا ہے؛ اور یہ سبق دہرائے بغیر تمہاری نماز نہیں۔

مقصد یہ کہ واضح ہو جائے:

- ۱- صراطِ مستقیم کے لیے بندے کی ضرورت اور فاقہ مندی کس قدر شدید ہے،
- ۲- اور اس سے انحراف کے راستوں سے واقف اور خبردار ہونا کس قدر ضروری۔

(ص ۸۰)

"تمیز" ظاہر میں بھی مطلوب ہے۔

یہ بھی جان لو کہ صراطِ مستقیم ایک وسیع حقیقت ہے:

- ۱- صراطِ مستقیم میں باطن سے متعلقہ امور بھی آتے ہیں، یعنی وہ حقائق جو دل میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں اعتقادات بھی آتے ہیں اور ارادات (عزائم اور ارادے) وغیرہ بھی۔

- ۲- صراطِ مستقیم میں امورِ ظاہرہ بھی آتے ہیں مثل: اقوال اور افعال۔ یہ اقوال اور افعال ”عبادات“ بھی ہو سکتے ہیں جیسے نماز و روزہ وغیرہ، اور ”عادات“ بھی ہو سکتے ہیں جیسے طعام، لباس، نکاح، رہن سہن، اجتماع، افتراق، سفر، اقامت اور نقل و حرکت وغیرہ۔

ان امورِ باطنہ و ظاہرہ کے مابین ایک خاص برجستگی اور مناسبت ہے۔ دل میں جو شعور اور احوال گزرتے ہیں وہ امورِ ظاہرہ کا موجب بنتے ہیں اور ظاہر میں جو اقوال اور اعمال چلتے ہیں وہ دل کے شعور اور احوال کو جنم دیتے ہیں۔

اب وہ جو حکم تھا کہ مغضوب علیہم اور ضالین کی راہ سے ہٹ کر چلنا ہے، وہ حکم امورِ باطن کی بابت بھی ہے اور امورِ ظاہر کی بابت بھی۔

ظاہری طریقہ و سیرت تک میں مغضوب اور ضالین کی مخالفت کا حکم کیوں؟

یہ کئی وجہ سے ہے، جن میں سے چند ایک کا ہم یہاں ذکر کریں گے:

۱- ظاہری وصف میں مشترک ہونا دو متشابہ چیزوں کے مابین ایک نسبت کراتا ہے؛ جو بالآخر اخلاق اور اعمال میں موافقت لے آنے پر منتج ہوتی ہے۔ جبکہ اللہ نے محمد ﷺ کو اس تاریک جہان میں جس حکمت اور دانائی کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اور جو کہ آپ ﷺ کی سنت ہے اور آپ ﷺ کی شریعت اور آپ ﷺ کا منہاج جس کو اللہ رب العزت نے اپنی جناب سے باقاعدہ سند دی ہے۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی اس حکمت اور دانائی کا ایک امتیاز ہی یہ ہے کہ اس کے ظاہری اقوال اور افعال بھی اپنے پیروکاروں کو مغضوب علیہم اور ضالین سے چھانٹ کر رکھ دیں۔ یہی وجہ ہے کہ دل کے احوال اور اعتقادات ہی میں نہیں ظاہری امور میں بھی اُن کی مخالفت کا حکم فرمایا چاہے اکثریت کو یہ امور بے ضرر ہی کیوں نہ نظر آئیں۔

۲- ظاہری وصف میں مختلف ہونا ہر دو کے مابین ایک مغایرت کراتا ہے؛ جو کہ تمہیں غضب اور ضلال کے اسباب اور موجبات سے ہی دور کر دیتی ہے اور ہدیٰ و انعام کے اسباب و موجبات سے ہی قریب کر دیتی ہے۔ نیز یہ حزب اللہ (جو کہ فلاح پانے والا ہے) اور حزب الشیطان (جو کہ گھاٹا کھانے والا ہے) کے مابین موالات کے رشتے کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے ختم کرنے پر منتج ہوتی ہے۔

اور یہ ایک نہایت عظیم حقیقت ہے: دل جتنا زندگی سے پُر اور اسلام سے آشنا ہوگا۔ اور اسلام بھی وہ نہیں جو چند ظاہری اعمال اور باطنی اعتقادات کا مجموعہ ہو۔ میرا مقصد ہے دل جتنا اسلام کی حقیقت سے آشنا ہوگا اُس میں یہود اور نصاریٰ سے مفارقت کا جذبہ اُتنا ہی توانا ہوگا اور مسلمانوں میں عام ہو جانے والے یہود و نصاریٰ کے اخلاق اور اعمال سے اُس کا گھن کھانا اُتنا ہی شدید ہوگا۔

۳۔ ظاہری وصف میں مشترک ہونا ہر دو کے مابین خلط کا موجب بنتا ہے۔ یہاں تک کہ آنکھ یہ تمیز کرنے سے عاری ہو جاتی ہے کہ ایک جانب وہ ہیں جن کو ہدایت بخشی گئی اور انعام کیا گیا اور خوشنودی کے وعدے فرمائے گئے اور دوسری جانب وہ جن پر غضب کیا گیا اور جوراہ بھٹک چکے۔

یہ ساری بحث ابھی وہاں ہے جہاں ظاہری اشتراک میں سوائے مشابہت کے کوئی اور خرابی نہ ہو۔ رہ گیا اشتراک اُن اشیاء میں جو اُن اقوام کے موجباتِ کفر میں آتی ہیں تو یہ کفر کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہوگا۔ یہاں؛ جس درجہ کی معصیت اُن کا فعل ہوگا اُسی درجہ کی معصیت اُن کی موافقت کرنے میں ہوگی۔
دین کا یہ ایک نہایت اہم اصل ہے جس کا ادراک ضروری ہے۔

(ص ۸۰-۸۳)

ایک خاص مسئلہ پر گفتگو سے پہلے آپ کو کچھ عمومی قواعد سے گزرنا ہوتا ہے کیونکہ وہ مسئلہ اُن قواعد کی ذیل میں لا کر ہی سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ ہم نے ابتداء میں کتاب، سنت اور اجماع سے اس اصول کے دلائل ذکر کر دیے کہ ہمارے دین میں کفار کی مخالفت کا حکم ہے اور اُن سے مشابہت کی ممانعت۔ یہ ایک اجمالی حکم ہے؛ آگے اس مخالفت و عدم مشابہت کی بعض صورتیں عام ہوں گی تو بعض صورتیں خاص۔ بعض چیزیں واجب ہوں گی تو بعض چیزیں مستحب۔

اس عمومی قاعدہ کو بیان کر دینے کے بعد ہم اس ذیلی مسئلہ پر آئیں گے، یعنی کفار کے تہواروں میں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے ممانعت۔

اب یہاں ایک نکتہ ہے جس کی میں نے اس کتاب میں خصوصی نشاندہی کی ہے۔ اس کو خوب ذہن نشین کر لیجئے:

شریعت کا کسی قوم کی موافقت یا کسی قوم کی مخالفت کا حکم دینا کسی وقت محض اس لیے ہوگا کہ ایک قوم کی موافقت بجائے خود مصلحت تھی اور ایک قوم کی مخالفت بجائے خود مصلحت۔ یعنی ایک فعل جس میں (اچھے لوگوں کی) موافقت یا (برے لوگوں کی) مخالفت ہوئی اُس سے اگر یہ موافقت یا مخالفت والا عنصر نکال دیا جائے تو خود اس فعل میں مصلحت یا مفسدت والی کوئی بھی بات نہ رہ جائے۔ لہذا ایک قوم کی موافقت کرنا آپ اپنی ذات میں مصلحت ہوگا اور ایک قوم کی موافقت کرنا آپ اپنی ذات میں مفسدت۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارا، نبی ﷺ اور سابقین کی، اُن اعمال میں متابعت کرنا بجائے خود فائدہ مند ہے جن کو اگر ان برگزیدہ نفوس نے نہ کیا ہوتا تو ان اعمال کی اپنی کوئی خوبی نہ ہوتی۔ اس لیے کہ ان اعمال میں نبی ﷺ اور سابقین کی متابعت بجائے خود وہ چیز ہے جو ہم میں اُن پاک روحوں کے ساتھ ایک لگاؤ اور وابستگی پیدا کراتی ہے، نیز دل کو دل سے راہ ہونے کا ایک معنی دیتی ہے، نیز ہمارا یہی رویہ کچھ دیگر امور میں ان نیک ہستیوں سے موافقت اختیار کروانے کا محرک بنتا ہے۔ غرض اسی طرح کے کچھ دیگر فوائد۔

عین اسی طرح.. کافروں کی، اُن اعمال میں ہمارا متابعت کر لینا، بجائے خود نقصان دہ ہے جن کو اگر یہ کافر نہ کر رہے ہوتے تو ان اعمال کے اپنے اندر کوئی برائی نہ تھی۔ پس موافقت اور مخالفت کا ایک باب تو یہ ہے جو اوپر بیان ہوا۔

پھر کسی وقت مخالفت اور موافقت کا حکم اُن افعال میں ہوگا جن کے اپنے ہی اندر مصلحت یا مفسدت کا کوئی پہلو ہے۔ یعنی ایک فعل آپ اپنی ذات میں ہی برا یا اچھا ہے چاہے ایک قوم نے اس کو نہ بھی کیا ہو۔ یہ وہ باب ہے جہاں موافقت یا مخالفت کا ذکر ازراہ دلالت و نشان دہی آتا ہے۔ یہاں شریعت کا موافقت سے منع کرنا مفسدت کی جانب محض ایک اشارہ اور دلیل کی حیثیت رکھے گا اور مخالفت کا حکم دینا مصلحت کی جانب

اشارہ ودلیل۔ چنانچہ اس باب میں موافقت اور مخالفت کا اعتبار ”قیاسِ دلالت“ میں آئے گا جبکہ اوپر والے باب میں اس کو ”قیاسِ علت“ کہیں گے۔ یہ دونوں مجتمع بھی ہو سکتے ہیں؛ یعنی اُس فعل کی جس میں موافقت یا مخالفت ہو رہی ہے اپنی ایک حکمت ہو اور وہ قوم جس کی موافقت یا مخالفت ہو رہی ہے اُس کا اپنا ایک شرعی اعتبار ہو۔ اور یہی بات اُن امور پر غالب ہے جو شریعت میں موافقت یا مخالفت کے ابواب سے وارد ہوئے ہیں۔

اس نکتے کو پالینا نہایت اہم ہے۔ اس کے بغیر ہمارے پروگرا رکا ہمیں کفار کی اتباع اور موافقت سے منع فرمانا اپنے مطلق اور مقید ہر دو معنی میں سمجھ نہیں آ سکتا۔ (۸۲-۸۳ ص)

کتاب اللہ کی دلالت: عموم اور اجمال، جبکہ سنت: اس کا بیان اور تفسیر

خوب سمجھ لو:

اعمال پر کتاب کی خصوصی دلالت جو ان کی جزئیات تک کو واضح کرے، قرآن کے اندر صرف اجمال اور عموم کے اسلوب میں آئے گی، یا استلزام کے اسلوب میں (یعنی ایک بات بیان ہوئی تو اس سے بہت سی چیزیں خود بخود لازم آ گئیں)۔ البتہ سنت آئے گی تو وہ کتاب (کے اُس اجمال یا عموم) کی تفسیر و بیان ہوگی۔ یعنی سنت، کتاب کے اجمال کو کھولتی چلی جائے گی اور اپنی تفصیلات کی صورت میں کتاب میں مذکور قواعد اور جواہر پر دلالت کرتی جائے گی۔ اس طرح سنت کتاب کی عملی تعبیر بنتی چلی جائے گی۔

بنابریں، ہم کتاب اللہ سے وہ آیات ذکر کریں گے جو اس قاعدے کی اساس پر دلالت کر دے، اپنے ایک مجمل انداز میں۔ اس کے بعد ہم اُن احادیث کی طرف جائیں گے جو ان آیات میں مذکور حقائق کی عملی تفسیر بنتی ہیں۔

اہل کتاب کی متابعت سے انتباہ پر: کتاب اللہ کی دلالت

۱- سورۃ جاثیہ کی آیات:

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ وَآتَيْنَاهُمْ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مَن بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبَعَهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ (الجاثية ۱۶-۱۹)

اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی اُن کو ہم نے عمدہ سامانِ زیست سے نوازا اور، دنیا بھر کے لوگوں پر انہیں فضیلت عطا کی اور دین کے معاملہ میں انہیں واضح ہدایات دے دیں پھر جو اختلاف اُن کے مابین رونما ہوا وہ (ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ) علم آ جانے کے بعد ہوا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے، اللہ قیامت کے روز اُن معاملات کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد اب اے نبی! ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے لہذا تم اسی پر چلو اور اُن لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آ سکتے۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے۔ (مودودی)

یہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دی جانے والی دین و دنیا کی نعمتوں کا ذکر فرمادینے کے بعد اُن کے انحراف کا حال بتایا؛ یعنی علم آ جانے کے بعد دین میں اختلاف کرنا اور اس کا سبب اُن کی آپس کی دھینگا مشتی۔

پھر فرمایا کہ اب اُس نے محمد ﷺ کو شاہراہ شریعت پر قائم کیا ہے۔ اس راستہ میں آپ ﷺ کو ایک حکم دیا کہ: آخر تک اسی کی پیروی کرتے چلے جانا ہے۔ اور ایک خبردار رہنے کی بات بتادی: نادانوں کی اھواء و خواہشات کی پیروی سے بچنا ہے۔ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ”نادانوں“ میں وہ سب لوگ آتے ہیں جو شرع محمد ﷺ کی مخالفت کریں۔ اور اُن کی اھواء: ان کے نفوس کی خواہشات اور فرمائشیں، اور وہ شکل و ہیئت جس پر مشرکین ہیں، اور جو کہ اُن کے دین باطل کے موجبات ہیں یا اس سے برآمد ہونے والی اشیاء۔ اور اس میں اُن سے موافقت اختیار کر لینے سے مراد ہے: اُن کے نفوس کی اُن خواہشات اور فرمائشوں کو پورا کر بیٹھنا۔ چنانچہ تم ہمیشہ دیکھو گے کہ جب بھی مسلمان کسی چیز میں کافروں کی موافقت یا مشابہت کریں وہ خوشی سے بے حال ہونے لگتے ہیں۔ مسلمان اُن کے پیچھے لگے نظر آئیں، اس کے لیے وہ آسمان سے تارے بھی توڑ لائیں تو گویا کم ہے! یہی وجہ ہے کہ تم شریعت کا عمومی رجحان یہ پاؤ گے کہ اہل کتاب کی موافقت کی اجازت دینا تو درکنار، اُن کی مخالفت کروانا ہی کسی ایک لمحہ کے لیے شارع کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُن کی مخالفت کروا دینے سے اُن کی امیدوں پر جو پانی پڑتا ہے اُس سے شرع محمد ﷺ کی ایک نہایت عظیم غایت پوری ہوتی ہے؛ یعنی اہل صراطِ مستقیم کو منسوخ شدہ شرائع کے پیروکاروں سے ہر لحظہ ممیز رکھنا؛ یوں کہ وہ اس شاہراہ کے آس پاس نظر تک نہ آئیں (اور آئیں تو اپنا وہ راستہ چھوڑ کر آئیں)۔ چنانچہ اُن کی مخالفت کروا دینے کی صورت میں اُن کی موافقت کا مادہ ہی ختم کر کے رکھ دینا شارع کا باقاعدہ مقصد نظر آتا ہے، کہ یہی طریقہ ان دور استوں کو خلط سے بچانے کے لیے کارگر ترین ہے؛ ورنہ آدمی ایک خطرناک لکیر کے آس پاس رہے تو پیر کسی وقت اندر جا سکتا ہے۔

۲- آیات سورۃ الرعد:

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ
مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُو
وَالِيهِ مَابٍ وَكَذَلِكَ أُنزِلُنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنْ أَتَبَعْتَ أَهْوَاءَ هُمْ بَعْدَ مَا
جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ (الرعد: ۳۶ - ۳۷)

جنہیں ہم نے کتاب دی تھی، وہ تو اُس چیز سے جو تم پر اتاری جاتی ہے، بڑے
خوش ہیں۔ اور گروہوں میں ایسے بھی ہیں جو اس کے ایک حصے پر معترض ہیں۔ تم
صاف کہہ دو: مجھے تو حکم ہے کہ عبادت کروں اللہ کی بغیر اس کا کوئی شریک کیے۔ پس
میں تو اُسی کی طرف دعوت دوں گا اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ اسی شان کے
ساتھ ہم نے یہ فرمانِ عربی تم پر نازل فرمایا ہے، اب اگر اس علم کے آجانے کے بعد
بھی تم اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرتے ہو تو اللہ کے آگے نہ تیرا کوئی حمایتی
ہوگا اور نہ بچانے والا۔

یہاں اُھواءِ ہُم میں ضمیر اللہ اعلم۔ اس سے پہلے گزرنے والے لفظ و مِن
الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ کی طرف جاتی ہے۔ یعنی گروہوں میں سے ایسے جو شرع
محمد ﷺ کے ایک حصے پر معترض ہیں۔ چنانچہ اس میں یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ کی وہ
تمام اصناف آ جاتی ہیں جو قرآن کے کسی ایک حصے پر معترض ہوں۔ یہاں؛ نہیں فرمایا
کہ تم نے اُن کے دین کے پیچھے نہیں چلنا؛ بلکہ کہا کہ تم نے ان کی خواہشوں اور
فرمائشوں کی ہی پیروی نہیں کرنی۔

۳- آیات سورۃ البقرۃ:

وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ

هَدَى اللَّهُ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ (البقرة: ۱۲۰)

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہ یہود اور نہ یہ عیسائی یہاں تک کہ تو ان کی
ملت ہی کی پیروی نہ کر لے۔ صاف کہہ دو: اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اگر
تو نے ان کی اہواء کی پیروی کر لی بعد اس کے علم تیرے پاس آچکا ہے تو اللہ کے
آگے نہ تیرا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

یہاں دو چیزوں پر ذرا غور کرو: خبر دی تو بولا: ”مِلَّتَهُمْ“ ”اُن کی ملت“۔ ممانعت
فرمائی تو بولا: ”أَهْوَاءَهُمْ“ ”اُن کی اہواء“۔ یعنی ادھر وہ قوم راضی تب تک نہ ہوگی جب
تک تم اُن ملت کے مطلق پیروکار نہ ہو جاؤ۔ جبکہ ادھر ممانعت کہ اُن کی اہواء کو ہی
سرے سے گھاس نہیں ڈالنی۔ تھوڑا نہ زیادہ، اُن کی فرمائشوں پر چلنا ہی نہیں۔ اور یہ تو
واضح ہے کہ اُن کے دین کا کوئی جزء جس کے وہ پیروکار ہیں اُس میں ان کی متابعت کرنا
اُن کی اہواء کے ایک حصے میں ان کی متابعت کرنے میں آتا ہے، یا اُن کی اہواء کی
اتباع کے قائم مقام ہے۔

وَلَئِنْ أَتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ
بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَ هُمْ مِّنْ بَعْدِ
مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ
يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ
يَعْلَمُونَ الْحَقَّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ
مُؤَلِّيُهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامَ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ

(البقرة: ۱۴۵ - ۱۵۰)

اور اگر تم ان کتابوں کے پاس ہر نشانی لے آؤ تو بھی وہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے۔ اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہو، اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اب اگر تم ان کی خواہشات کے پیچھے چلے بعد اس کے کہ تمہیں علم مل چکا، تو تم ضرور ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس (نبی) کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بے شک اُن میں ایک فریق جان بوجھ کر حق چھپاتا ہے۔ اور ہر ملت کے لیے ایک سمت (مقرر) ہے جدھر اُسے (عبادت کے لیے) رخ کرنا ہوتا ہے۔ پس تم نیکیوں میں اوروں سے آگے نکل جاؤ۔ جہاں بھی تم ہو گے اللہ تم سب کو جمع کر لے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور تو جہاں سے نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر؛ بے شک وہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق ہے۔ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ اور تو جہاں سے نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر۔ اور تم جہاں ہوا کرو اپنا منہ اسی کی طرف پھیر لیا کرو۔ تاکہ لوگ تم پر کوئی حجت نہ رکھیں، سوائے وہ جو ظالم ہیں

سلف کی ایک بڑی تعداد نے لئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ”تاکہ لوگ تم پر کوئی حجت نہ رکھیں“ کی تفسیر میں کہا ہے: تاکہ یہود تمہارے اوپر یہ حجت نہ رکھیں کہ دیکھا انہوں نے ہمارے ہی قبلہ کی موافقت کی، اور پھر کہیں کہ قبلے میں یہ ہماری موافقت کی راہ پر ہیں تو ہمارے دین کے بھی موافق ہو ہی جائیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے قبلے میں

اُن کی مخالفت کروا کر اُن کی اس حجت کو کاٹ کر پھینک دیا۔ کیونکہ ”حجت“ ہر اُس چیز کو کہیں گے جس سے ایک آدمی کی جیت ہو، خواہ یہ جیت حق میں ہو یا باطل میں۔ جبکہ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ”سوائے وہ جو ظالم ہیں“ کی تفسیر ”قریش“ سے کی۔ یعنی ہاں اب یہ ہیں جو کہیں گے کہ: ہمارے قبلے کی طرف تو لوٹ آئے، ہوتے ہوتے ہمارے دین کی طرف بھی لوٹ ہی آئیں گے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے ایک قبلہ کو منسوخ فرما کر مسلمانوں کو دوسری جانب قبلہ رخ کیا تو وہاں صرف حکم نہیں دیا، باقاعدہ حکمت بھی بیان فرمائی۔ کافروں کی مخالفت ہی نہیں کروائی بلکہ مقاصدِ شریعت کا ایک طویل بیان بھی عین وہیں پر عنایت فرمایا۔ جس کا لب لباب یہ کہ اہل باطل کی فرمائشیں جو وہ ملتِ اسلام سے کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے پندار کی تسکین پاتے ہیں، اس کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی جائے اور اس امت کا مستقل بالذات ہونا اور اس کی ملت کا ممیز، بے مثال اور ناقابلِ قیاس ہونا اظہر من الشمس بنا دیا جائے۔ تحویل قبلہ کے اس موقع پر یہ جو ایک اصولی بات مسلمانوں کے ذہن نشین کرائی گئی..... ظاہر ہے یہ بات ہر موافقت اور ہر مخالفت کے معاملہ میں ہی پائی جائے گی۔ کیونکہ کسی بھی مسئلہ میں آپ کی جانب سے جب کافر کی موافقت اور پیروی ظاہر ہوگی تو صورتحال وہی یا اُس سے قریب ہوگی جو قبلہ کے معاملہ میں یہود کو اسلام پر ایک قسم کی حجت فراہم کر رہی تھی۔

۴- آیت سورۃ آل عمران:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

(آل عمران: ۱۰۵)

وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

اور نہ ہونا اُن لوگوں کی طرح کا جنہوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف میں پڑے، بعد

اس کے کہ اُن کے پاس بینات آچکی تھیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو بڑا عظیم عذاب ہونے والا ہے۔

یہ لوگ کون ہیں، جن کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ اُن کی طرح کا نہ ہونا؟ ظاہر ہے یہود اور نصاریٰ؛ جو ستر ستر فرقے ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے خاص تفرقہ اور اختلاف کے سلسلہ میں یہود و نصاریٰ کی متابعت سے منع فرمایا، باوجود اس کے کہ آپ ﷺ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمادی تھی کہ خود آپ ﷺ کی امت تہتر فرقوں میں بٹے گی۔ لغت میں جب آپ کسی کو کہتے ہیں ’فلاں کی طرح کا مت ہو جانا‘ تو اس سے جو لفظی یا معنوی مفہوم نکلتا ہے اس سے اُس شخص کی مماثلت سے ایک عمومی نفی ثابت ہوتی ہے۔ آیت سے اگر یہ مفہوم نہ بھی لیا جائے تو یہ مفہوم تو بہر حال نکلتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت بطورِ جنس اور ان کی مشابہت کو ترک کرنا بطورِ جنس ایک مشروع امر ہے۔ اور یہ اس چیز پر دلالت ہے کہ وہ چیزیں جو ہمیں بیان نہیں کر کے دی گئیں ان میں بھی آدمی جتنا اُن کی مشابہت سے دور رہے اتنا ہی اُس کا ممنوعہ مشابہت سے دور ہونا قوی تر ہوگا۔ اور یہ دین کی ایک جلیل القدر مصلحت ہے۔ اسی اسلوب کی یہ آیات ہیں: موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو دی جانے والی ہدایات: فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (یونس: ۸۹) ”پس حق پر قائم رہو اور ہرگز اُن لوگوں کی راہ نہ چلنا جو نادان ہیں“ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ (الأعراف: ۱۴۲) ”موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا: قوم میں میرے جانشین ہو، اور اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کا راستہ نہ چلنا“ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ

(النساء: ۱۱۵) ”جو شخص راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی پیغمبر کا خلاف کرے اور مومنوں کی راہ کے ماسوا کے پیچھے چلے، تو ہم اُسے اُسی رخ پر چلا دیں گے جس رخ پر وہ چل گیا ہے اور اُس کو جہنم میں داخل کریں گے“

عین یہی معنی دینے والی نصوص قرآن کے اندر بے شمار ہیں، خصوصاً سورۃ مائدہ اور سورۃ توبہ کے اندر، (اصل کتاب میں سورۃ توبہ کی آیات پر نہایت طویل اور فائدہ مند کلام کیا گیا ہے) مگر ہم فی الحال انہی قرآنی نصوص پر اکتفا کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ:

شریعت کا یہ مقصود کہ اہل کفر خصوصاً اہل کتاب کی عمومی امور میں مخالفت ہمارے حق میں باعثِ صلاح ہے، تو یہ سبھی آیات یہ دلالت دینے میں نہایت واضح اور صریح ہیں۔ رہ گیا اُن کی مخالفت کرنے کا وجوب، تو اس پر کچھ آیات کی دلالت ہوگی تو کچھ کی نہیں ہوگی۔ ہم نے ان آیات سے جو بات ثابت کی ہے وہ یہ کہ اہل کتاب کی مخالفت بالجملہ مشروع ہے، اور یہی بات واضح کرنا یہاں پر مقصد ہے۔ ہاں یہ بات کہ کہاں دلالت وجوب کا فائدہ دیتی ہے اور کہاں غیر وجوب (صرف مستحب یا مستحسن ہونے) کا فائدہ دیتی ہے، تو وہ یہاں ہمارا موضوع نہیں۔ ہمیں اس باب میں دین کا ایک عمومی مقصود واضح کرنا تھا، اور وہ ہم نے کر دیا۔ یہاں ہمارے پیش نظر اس باب میں آنے والے تمام مسائل کا احاطہ کرنا نہیں، ہاں ہم یہ مسئلہ بیان کریں گے کہ اُن کی عیدوں اور تہواروں میں اُن کی مشابہت اختیار کرنا حرام امور میں آتا ہے۔ اور اس ایک مسئلہ کی تفصیل میں جانے سے پہلے ضروری سمجھا گیا کہ وہ قاعدہ کلیہ بھی بیان کر دیں، اور جو کہ نہایت عظیم فائدہ کا حامل ہے۔

دین کا ظہور اور غلبہ..... ایک خوبصورت استشہاد

یہ وجہ ہے کہ ہر دو عبادت (قبول ہونے والی عبادت مسلمانوں کی، اور رد ہونے والی عبادت یہود و نصاریٰ کی) کے مابین فرق کروا دینا شارع کا ایک بڑا مقصد ہے۔ (یہاں امام صاحبؒ احادیث سے اس کے بے شمار شواہد ذکر کرتے ہوئے، ایک جگہ لکھتے ہیں:) اب ذرا سنن ابوداؤد کی ایک حدیث ہی دیکھ لو:

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ، قال:

﴿لَا يَزَالُ الدِّينُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ، لَأَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى يُؤَخِّرُونَ﴾

”دین اسلام چھایا رہے گا جب تک لوگ افطار میں جلدی کریں گے؛ کیونکہ

یہود اور نصاریٰ افطار کو مؤخر کرتے ہیں“

یہاں نبی ﷺ کے الفاظ پر غور فرماؤ: لَا يَزَالُ الدِّينُ ظَاهِرًا مراد یہ کہ دین کا غلبہ اور ظہور کافر ملتوں کی مخالفت میں مضمر ہے۔ اور جبکہ ہم جانتے ہیں دین خداوندی کو جملہ ادیان پر ظہور و غلبہ دلوانا (لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ) رسولوں کی بعثت کی ایک باقاعدہ غایت ہے۔ لہذا کفار کے شعائر کے خلاف چلنا آپ اپنی ذات میں دین کو ظاہر و غالب کرنے کا معنی رکھے گا اور بعثت نبوی کے اہم ترین مقاصد میں شمار ہوگا۔ (ص ۱۸۶-۱۸۷)

سنتِ جاہلیت کیا ہے؟

سنتِ جاہلیت^(۲) کیا ہے؟ وہ سب روایات جو اہل جاہلیت کے یہاں چلتی آئی ہیں۔ سنت ایک ایسے معمول کو کہیں گے جو کسی قوم کے ہاں بار بار دہرانے میں آتا ہو، یا وہ راستہ جو ان کے ہاں تسلسل کے ساتھ چلا جاتا ہو؛ خواہ وہ اس کو عبادت گنتے

ہوں یا غیر عبادت۔ چنانچہ فرمایا: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ (آل عمران: ۱۳۷) ”تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آچکے ہیں“ اور نبی ﷺ نے فرمایا: لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ ”تم اپنوں سے پہلوں کے طور طریقے اپنا کر رہو گے“ اس حدیث میں لفظ آئے ہیں لَتَتَّبِعَنَّ ”اتباع“ دو معنوں کے اجتماع سے بنتا ہے: ایک اِقتِفاء یعنی ”کسی کے پیچھے آنا“ اور دوسرا اِسْتِنَان یعنی ”اس کو طریقے اور دستور کے طور پر لینا“۔ بنا بریں جو شخص کفار کے معروف طریقوں میں سے کسی طریقے پر عمل پیرا ہوگا وہ ایک جاہلی سنت کی اتباع کرے گا۔ اب نبی ﷺ کا برسبیلِ مذمت یہ فرمانا کہ: لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ ایک جامع نص ہے جو کہ جاہلیت کی سنتوں میں آنے والی جملہ اشیاء کی اتباع کو مذموم اور ممنوع ٹھہرانے کا فائدہ دیتی ہے۔ خواہ یہ اُن کے تہوار ہوں یا کچھ اور۔ (ص ۲۶۶-۲۷۷)

نبی ﷺ کا فرمان: اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ ”خبردار رہو، جاہلیت کے دستور کی ہر شے منسوخ ہو کر میرے قدموں کے نیچے“ اس میں وہ سب کچھ آتا ہے جس پر اہل جاہلیت چلتے آئے تھے،

(۲) ”اسلام میں سنتِ جاہلیت کا چلن کروانے“ کے حوالے سے اشارہ ہے اس حدیث کی جانب:

عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي ﷺ قال:

أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُتَنَفِّخٌ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَمُطْلَبٌ دَمَ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهِرِّقَ دَمَهُ

(البخاری، کتاب الدیات، باب من طلب دم امرئ بغير حق رقم الحديث: 6468)

روایت عبد اللہ بن عباس سے، فرمایا رسول اللہ نے:

تین آدمی اللہ کو سب سے زیادہ برے لگتے ہیں: حرم میں الحاد کرنے والا،

اسلام میں جاہلیت کی سنت کا چلن چاہنے والا، اور جو کسی شخص کا ناحق خون

کروانے کے درپے ہے۔

خواہ وہ رواج ہوں یا عبادات۔ مثلاً اُن کے نعرے کہ فلاں کی جے اور فلاں کی جے۔ نیز اُن کے تہوار۔ اور اسی طرح کے دیگر امور جو ان کی پہچان ہوں۔

اس میں وہ اشیاء نہیں آئیں گی جن پر اہل جاہلیت رہے تو ہیں البتہ اسلام نے ان کو برقرار رکھا۔ مثل: حج کے بہت سے مناسک، مقتول کی دیت سواونٹ، قسم ڈالنا، وغیرہ۔ کیونکہ لفظ جاہلیت کا جو مفہوم عام استعمال ہے وہ اُن اشیاء کے لیے ہے جن پر اہل جاہلیت تھے اور اسلام نے ان کو برقرار نہیں رکھا۔ ہاں اگر کوئی چیز جاہلیت میں تھی تو وہ اسی ممنوعہ زمرے میں ہی رہے گی اگرچہ اسلام نے خاص معین کر کے اس چیز کو نہ بھی روکا ہو۔

(ص ۳۰۵-۳۰۶)

دارالاسلام میں شعائرِ کفر کا کھلے عام ہونا

چنانچہ عمرؓ نے اتفاق فرمایا تھا، جس میں عمرؓ اکیلے نہ تھے بلکہ سب مسلمان اُن کے ساتھ تھے، پھر اسی پر بعد کے جملہ مسلمان علماء کا اتفاق رہا، نیز جن جن والیوں اور حکمرانوں کو خدا نے توفیق بخشی اُن کا عمل بھی اسی پر رہا کہ: کہ ذمیوں کو اس بات سے روکا جائے گا کہ دارالاسلام کے اندر وہ کسی ایسی شے کو کھلے عام کریں جو اُن کے امتیازی امور میں آتی ہو۔ جس سے اس بات کو آخری حد تک یقینی بنانا مقصود تھا کہ دارالاسلام میں مشرکین کے امتیازات ظاہر و باہر نہ ہوں۔ تو پھر اس بارے میں کیا خیال ہے کہ مسلمان ہی ان اشیاء کا ارتکاب بھی کریں اور ان کو ظاہر و باہر بھی کریں! (ص ۳۳۰)

جبکہ اہل کوفہ تو اس معاملہ میں بہت آگے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب نے ایسے شخص کے کافر ہو جانے کی بابت گفتگو کی ہے جو کفار کے ساتھ اُن کے پہناوے یا اُن کے تہواروں کے معاملہ میں مشابہت کا ارتکاب کرتا ہے۔

اور جبکہ امام مالکؒ کے بعض اصحاب اس قول تک چلے گئے ہیں کہ: جو شخص کفار کے تہواروں پر کوئی ایک تربوز^(۳) کاٹ دے وہ ایسا ہی ہے گویا اُس نے خنزیر ذبح کر دیا ہے۔

جبکہ شافعیؒ کے اصحاب نے بھی اسی اصل کا اپنے بے شمار مسائل کے اندر ذکر کیا ہے، اور جو کہ آثار و مرویات میں وارد ہوئے ہیں۔ ایسی ہی بات دیگر علماء نے بھی بیان کی ہے۔ جیسا کہ یہ علماء نبی ﷺ کی یہ حدیث ذکر کرتے ہوئے جس میں آپ ﷺ طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کے وقت نماز سے ممانعت فرماتے ہیں، یہ توجیہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ وہ وقت ہے جب مشرکین سورج کو سجدہ کرتے ہیں، جیسا کہ حدیث ہی میں ایک جگہ یہ صراحت ہوئی ہے۔ مراد یہ کہ کفار کی مشابہت ایسی مکروہ چیز ہے کہ نماز تک کی بابت کہا گیا کہ اس گھڑی ٹھہر جاؤ۔

امام احمدؒ نے بھی کفار سے موافقت اور مشابہت کو حرام ٹھہرانے کے معاملہ میں نہایت شدید کلام کیا ہے۔

(ص ۳۵۴-۳۵۶)

کفار کے اعمال کی بابت ایک جامع بیان

جان لو کہ کفار کے اعمال تین اقسام بنتے ہیں:

- ۱- وہ اعمال جو ہمارے دین میں مشروع ہیں، جبکہ وہ ان کی شریعت میں بھی مشروع تھے، یا یہ معلوم نہ ہو کہ یہ اعمال اُن کی شریعت میں تھے البتہ اس وقت وہ کرتے ہیں۔
- ۲- وہ اعمال جو کبھی مشروع تھے مگر قرآن کی شریعت نے ان کو منسوخ کر دیا۔

(۳) کیک کی بابت کیا خیال ہے!؟

۳۔ وہ اعمال جو کبھی شروع نہ تھے، بلکہ انہوں نے گھڑ لیے ہیں۔

اعمال کی یہ تینوں اقسام یا تو عباداتِ محضہ میں آئیں گی۔ یا عاداتِ محضہ میں یعنی آداب وغیرہ۔ یا وہ ایسے اعمال ہوں گے جن میں عبادت اور عادت ہر دو معنیٰ جمع ہوں گے۔ تین ضرب تین: یہ کل نو اقسام بنیں۔

اعمال کی پہلی قسم: وہ اعمال جو ہماری شریعت میں ہیں اور ان کی بھی شریعت میں ہیں یا وہ یہ اعمال کرتے ہیں۔

مثلاً صومِ عاشوراء، بلکہ جنسِ نماز و روزہ وغیرہ۔ یہاں اگر جنس میں اشتراک ہے تو صفت اور ہیئت میں مخالفت کروا دی گئی۔ مثلاً عاشوراء کے ساتھ تاسوعاء کا روزہ سنت ٹھہرا دیا گیا۔ افطار اور نمازِ مغرب میں عجلت کا حکم دے دیا گیا تاکہ اہل کتاب کی مخالفت ہو جائے۔ سحری تاخیر سے کرنے کی ہدایت فرما دی گئی تاکہ اہل کتاب کی مخالفت ہو۔ جو توں سمیت نماز پڑھ لینے کو مشروع ٹھہرایا تاکہ یہود کی مخالفت ہو۔ عبادات میں جا بجا اس کے شواہد ملیں گے۔ عادات میں مثال کے طور پر: میت کو دفن کرنا شائع کے مابین مشترک ہے مگر یہاں ہیئت میں فرق کروا دیا گیا۔ فرمایا: اللّٰحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِعِیْرِنَا ”لحد ہمارے لیے اور شق دوسروں کے لیے“۔ اس میں عبادت کا بھی ایک معنیٰ ہے۔ جو توں سمیت نماز عبادات میں آتی ہے تو لباس کے باب سے اس کا تعلق عادات سے بھی بنتا ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز کے وقت جوتا اتارنا ہوتا تھا۔ اسی طرح حالتِ حیض کے احکام میں ایک مشابہت ہے تو اس کی ہیئت میں کچھ فرق کروا دیا گیا جس پر یہود نے تعجب بھی کیا۔ غرض کسی چیز میں اگر اصل دو شریعتوں میں مشترک ہے بھی تو وصف کے اندر فرق کر دیا گیا۔

دوسری قسم: وہ اعمال جو ان کی شریعت میں تھے مگر ہمارے ہاں منسوخ ہیں:

مثلاً سبت کی تعظیم۔ یا کسی نماز یا روزہ وغیرہ کو اپنے اوپر فرض ٹھہرا لینا۔ یہاں؛ ان کی موافقت سے کھلی ممانعت ہے۔ چاہے وہ چیز ان پر واجب تھی؛ اور اس لحاظ سے وہ ان کی عبادات میں آئے گی۔ اور چاہے وہ ان پر حرام تھی؛ اور اس لحاظ سے وہ ان کی عادات میں آئے گی۔ اب مثلاً جہاں تک عادات کی بات ہے تو آج کسی مسلمان کے لیے یہ روانہ ہوگا کہ وہ ازراہ نیکی و دینداری چربیوں یا ناخن والے جانور کے گوشت سے پرہیز کرے۔ یا پھر جس چیز میں عبادت اور عادت ہر دو معنی مجتمع ہو مثلاً اُن کی وہ عیدیں جو اُن کے لیے مشروع تھیں؛ کیونکہ عید جو مشروع ہوتی ہے اُس میں عبادت کا بھی ایک معنی آتا ہے یعنی نماز یا ذکر یا صدقہ یا قربانی وغیرہ جو اس موقع پر کی جائے گی، جبکہ اسی میں عادت کا بھی ایک معنی آتا ہے اور وہ ہے اس دن اچھے اچھے کپڑے پہننا، اعلیٰ پکوان کھانا، جشن میلہ کرنا، روزمرہ کے بہت سے اعمال چھوڑ لینا، اور کچھ ایسے طبقوں کا جو اس میں دلچسپی رکھتے ہوں کھیل اور گانا وغیرہ کر لینا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ ابو بکر ؓ نے جب نبی ﷺ کے گھر میں ان دو لڑکیوں کو ڈانٹنا شروع کیا جو عید کے دن گارہی تھیں تو آپ نے فرمایا: ابو بکر ان کو رہنے دو؛ کیونکہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید ہے۔ نیز حبش کے لوگوں نے عید کے روز نیزوں کا ایک کھیل پیش کیا تھا، جسے نبی ﷺ بھی دیکھ رہے تھے۔ غرض عیدیں جو مشروع ہوں ان میں یا تو ازراہ وجوب یا ازراہ استحباب ایسی عبادات مشروع ٹھہرائی جاتی ہیں جو دیگر ایام میں نہیں ٹھہرائی جاتیں۔ اسی طرح عیدوں پر ازراہ جواز یا ازراہ استحباب یا ازراہ وجوب ایسی عادات مشروع ٹھہرائی جاتی ہیں جن میں نفوس کو لطف اور مزہ آتا ہو، اور یہ عادات ان عیدوں کے علاوہ ایام میں

نہیں ٹھہرائی جاتیں۔ مثلاً عیدین میں افطار کو واجب رکھا۔ دونوں عیدوں پر نماز کو مشروع ٹھہرایا۔ نماز عید کے ساتھ ایک تہوار پر صدقہ (فطر) کو مشروع ٹھہرایا۔ نماز عید کے ساتھ دوسرے تہوار پر قربانی کو مشروع ٹھہرایا۔ اب فطرانے کا صدقہ بھی اور قربانی کا ذبیحہ بھی دونوں معاشرے کے اندر کھانے پینے کو وافر بناتے ہیں جس سے لوگ خوب مزہ کرتے ہیں۔

یہ جو قسم ہے، یعنی وہ اشیاء جو ان کی شریعت میں تھیں مگر ہماری شریعت میں منسوخ ہو گئیں، یہاں ان کی موافقت کرنا خواہ وہ عبادات میں ہو یا عادات میں یا ان اشیاء میں جو عبادت و عادت ہر دو معنی رکھتی ہوں، یہ پہلی قسم والے اعمال میں اُن کی مشابہت سے کہیں قبیح تر ہے۔ کیونکہ وہاں؛ چیز کی اصل مشروع تھی صرف ہیئت تبدیل ہوئی تھی؛ مگر یہاں اصل ہی منسوخ ہے لہذا یہاں مشابہت حرام ہے۔ جبکہ اول الذکر میں ہو سکتا مشابہت صرف مکروہ ہو یا اس سے بھی کم۔

تیسری قسم: وہ اعمال جو ان کے من گھڑت ہیں اور کبھی بھی مشروع نہ تھے:

خواہ یہ عبادات ہوں، یا عادات، یا وہ چیز جو ہر دو معنی کو شامل ہے۔ یہ تو بدتر سے بدتر ہیں۔ یعنی یہ وہ چیز ہے جو کافروں کی خالص اختراع ہے اور کسی نبی اور کسی شریعت سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے^(۴)۔

(ص ۴۲۲-۴۲۳)

(۴) جبکہ ”کرسمس“ اسی صنف میں آتا ہے، بلکہ یہ اپنی اصل origin میں ایک رومن تہوار ہے، جس کا اعتراف عیسائی محققین بھی کرتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام اور آپ کے حواری کسی کرسمس اور سانٹا کلاز سے واقف تک نہ تھے۔ یہ تصور بھی درست نہیں کہ امتِ مسیح کے بعض دیندار طبقوں نے اپنے اندازے سے اس کو مسیح کا یوم پیدائش جان کر، اور اپنے نبی کے لیے فطر عقیدت میں آ کر یہ بدعت گھڑ لی ہو۔ یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ بت پرست رومنز پہلے سے ہی اپنے ’بڑے دنوں‘ میں یہ تہوار مناتے چلے آ رہے تھے۔ اپنے عیسائی دور میں اسی عید کو وہ مسیح کے نام سے منانے لگے!

کفار کے تہواروں کا حکم:

اہل کفر سے مشابہت کی بابت جب یہ اصول طے ہو گئے، تو اب ہم کہیں گے کہ تہواروں کے معاملہ میں ان سے موافقت حرام ہے، اور یہ دو بنیادوں پر:

پہلی بنیاد:

جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، یہ چیز اہل کتاب کی موافقت بنتی ہے ایک ایسے عمل میں جو نہ ہمارے دین میں آیا اور نہ ہمارے پہلوں کا دستور رہا۔ کفار کے ساتھ ایسی موافقت دین کی مفسدیت ہے اور اس میں اُن کی مخالفت دین کی مصلحت۔ یہ تہوار اگر ہمارے ہاں اتفاقیہ ہوتے (ہمارے ہی کچھ لوگوں نے گھڑ لیے ہوتے) اور ان کفار سے نہ لیے گئے ہوتے تو ہمارے دین کی ہدایت ہوتی کہ ہم ان تہواروں کی مخالفت کریں، کیونکہ ایسی مخالفت ہمارے دین کا تقاضا ہے اور ایک باقاعدہ شرعی مصلحت، جیسا کہ پیچھے ہم اس جانب اشارہ کر آئے۔ اس میں جو ان کی موافقت کرتا ہے وہ اپنے حق میں یہ شرعی مصلحت فوت کر لیتا۔ تو پھر ایسے تہوار کی بابت کیا خیال ہے جو لیا ہی کفار سے گیا ہو؟

نیز نبی ﷺ کا فرمان ہے: خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ ”مشرکوں کے خلاف کرو“۔ علاوہ کتاب و سنت کے ان تمام دلائل کے جو ہم پر مغضوب علیہم اور ضالین کا راستہ چلنا حرام ٹھہراتے ہیں۔ جبکہ ان کا تہوار اُن کے سبیل (راستے) کا حصہ ہیں۔

یہ کیونکہ عمومی اصول ہیں اس لیے ان کی عمومی دلالت ہی اس عمل کو ہمارے لیے حرام ٹھہرا دیتی ہے۔

دوسری بنیاد:

یہ کہ ہم خاص اس عمل ہی کے حرام ہونے پر اپنے شرعی مصادر سے دلائل لے کر آئیں۔ اب یہاں قدرے وضاحت سے ان خصوصی دلائل کا بیان کیا جاتا ہے:

الف۔ قرآن سے:

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا (الفرقان:)

اور وہ لوگ جو ”زور“ پر حاضر نہیں ہوتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو تو وقار اور متانت کے ساتھ گزرتے ہیں

آیت میں لفظ ”زور“ پر سلف کی تفسیر ملاحظہ فرمائیے:

ابوبکر خلالؓ نے اپنی جامع میں پورے اسناد کے ساتھ تابعی محمد بن سیرینؒ سے اس کی تفسیر نقل کی، کہا: وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ میں (نصاری کا تہوار ”شعائین“ آتا ہے۔

پھر مجاہدؒ سے نقل کیا، کہا: اس سے مراد ہے مشرکین کے تہوار۔ ربیع بن انسؒ سے نقل کیا، کہا: مشرکین کے تہوار۔

اسی معنی میں عکرمہؒ سے روایت ہوئی، کہا: یہ ایک جشن تھا جو وہ زمانہ جاہلیت میں منایا کرتے تھے۔ قاضی ابویعلیٰ نے اس کو مسئلۃ فی النہی عن حضور اعیاد المشرکین کے تحت بیان کیا۔

ابوالشیخ اصفہانیؒ ”شروط أهل الذمة“ میں اپنی باقاعدہ اسناد کے ساتھ، ضحاکؒ سے روایت کرتے ہیں کہ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ والی آیت کی تفسیر ہے: عید المشرکین۔ نیز اپنے اسناد کے ساتھ عن ابی سنان عن الضحاک، کہا: اس سے مراد ہے شرک کی بات۔ نیز اسناد کے ساتھ عن جویر عن الضحاک، کہا: مراد ہے اعیاد المشرکین۔ نیز اپنے اسناد سے عن عمرو بن مرة، کہا: مراد ہے: نہیں شامل ہوتے مشرکین کے ساتھ اُن کے شرک میں اور نہ اُن کے ساتھ گھلتے ملتے ہیں۔ نیز اپنے اسناد سے عن عطاء بن یسار، کہا: فرمایا عمرؓ نے: ”عجمیوں کے اسلوب اور لہجوں سے بچو اور

خبردار رہو مشرکین کے ہاں جانے سے اُن کے تہوار کے دن اُن کے گرجوں میں۔
اب یہاں ایک اصولی مسئلہ واضح کرتے چلیں: تابعین کا اس آیت کی تفسیر کے تحت یہ کہنا کہ یہ ”مشرکوں کے تہوار ہیں“، تابعین ہی کی ایک دوسری تفسیر سے متعارض نہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے شرک یا جاہلیت کے بت، یا ان کی ایک دوسری تفسیر کہ یہ ناچ اور مجرے کی جگہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلف کا یہ معمول ہے (کہ تفسیر میں ایک ہی حقیقت کے انطباق میں جو تنوع ہو، وہ مثالوں کی صورت بیان کر دیں)۔ سامع کی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے کسی وقت وہ پوری جنس کا ذکر کر دیں گے اور کسی وقت اس کی محض ایک نوع کا۔

ہاں ایک جماعت نے اس آیت میں ”زُور“ کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس سے مراد ہے جھوٹی شہادت^(۵)۔ اور یہ البتہ محل نظر ہے۔ کیونکہ قرآن نے لفظ بولے ہیں: وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ۔ یہ نہیں بولے: لَا يَشْهَدُونَ بِالزُّورِ۔ جبکہ ”گواہی دینے“ والا معنی ”ب“ کے صلے کے بغیر بنتا۔ ”ب“ کے صلے کے بغیر عرب جب بھی بولیں گے مثلاً کہیں کہ شہدٹ کذا تو اس سے مراد وہاں حاضر ہونا اور موجود ہونا ہوگا نہ کہ گواہی دینا۔ گواہی دینے کے معنی میں جب بھی بولیں گے تو کہیں گے: شہدٹ بكذا۔ اب مثلاً ابن عباسؓ کا قول: شہدٹ العید مع رسول اللہ ﷺ ”میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید میں حاضر ہوا“۔ یا حضرت عمرؓ کا قول: الغنیمۃ لمن شہد الوقعة ”غنیمت اس کے لیے جو معرکے میں حاضر ہوا“۔

البتہ کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ تابعین کی یہ تفسیر، لفظ ”زُور“ کے معنی سے کیا

(۵) برصغیر کے اردو تراجم میں اس آیت کے تحت زیادہ تر یہی معنی بیان ہوا ہے۔ یعنی جھوٹی شہادت۔ جس کو امام ابن تیمیہؒ محل نظر ٹھہراتے ہیں اور آگے اس کی دلیل دیتے ہیں۔

مناسبت رکھتی ہے؟ دراصل ”زور“ کا مطلب ہے کہ حقیقت کچھ ہو اور دکھایا کچھ جائے۔ ملع اور جعلسازی۔ باطن میں غلاظت ہو اور ظاہر میں اس کو حسن کا لبادہ اوڑھایا جائے۔ اب ظاہر ہے یہ باطل کا خاص الخاص وصف ہے۔ باطل ہمیشہ اپنے آپ کو خوب سے خوب لبادے میں پیش کرتا ہے اور اس ترکیب سے اپنی گندگی میں ایک کشش پیدا کر لیتا ہے؛ کبھی ”شبہات“ سامنے لا کر تو کبھی ”شہوات“ کی چادر تان کر؛ جس سے ایک خلقت اُس کے پیچھے ہو لیتی ہے اور کوئی خاص صاحبِ نظر ہی اس شبہات اور شہوات والے ”چہرہ روشن“ سے گزر کر اُس کے اندروں چنگیز سے تاریک تر تک پہنچتا ہے۔ لہذا باطل اور باطل کے وہ جملہ مظاہر جو لوگوں کے لیے باعثِ کشش ہوں، اس پر ”زور“ کا لفظ نہایت فٹ بیٹھتا ہے۔ تابعین کی تفسیر ان سب معانی کو خوب واضح کر دیتی ہے۔ لہذا اس لفظ کی تفسیر ”شرک“ سے ہوئی تو وہ اس پہلو سے کہ یہ باطل کے اٹھائے ہوئے ”شبہات“ میں آتا ہے اور اگر اس کی تفسیر باطل کے ”ناچ مجروں“ سے ہوئی تو وہ اس پہلو سے کہ یہ اس کو پرکشش بنانے والی ”شہوات“ ہیں۔ اور جہاں تک یہ تفسیر ہے کہ اس سے مراد ”مشرکوں کی عیدیں اور تہوار“ ہیں تو اس عیدِ مشرکین میں ”شبہات اور شہوات“ ہر دو آتے ہیں، اور اس کو باطل ٹھہراتے ہیں۔ رب العزت کے دین کے لیے اس میں کوئی منفعت نہیں۔ لذتِ عاجلہ ہے تو انجام، المِ دائمی۔ لہذا یہ اس پہلو سے بھی ”الزور“ ہوئی۔ اور اس میں شریک ہونا ”لَا يَشْهَدُونَ“۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عباد الرحمن کا یہ وصف بیان فرمایا ہے اور اس کو باقاعدہ سراہا ہے کہ یہ وہاں پیر دھرنے کے روادار نہیں؛ یعنی نہ ان کی آنکھ اُس کو دیکھنے کی روادار اور نہ ان کے کان اُس کو سننے کے.. تو پھر اس بابت کیا خیال ہے کہ آدمی وہاں حاضر ہی نہیں بلکہ باقاعدہ شریک ہونے چل پڑے اور اس پر اپنی موافقت دکھائے؟

ب۔ حدیث سے:

۱۔ حدیث انسؓ:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فَقَالَ: مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوا: كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحَى وَيَوْمَ الْفِطْرِ۔

(رواہ ابو داود: کتاب الصلوٰۃ، باب صلاة العیدین رقم الحدیث ۱۱۳۴۔ والنسائی: صلوٰۃ العیدین رقم الحدیث ۱۵۵۶، وأحمد: رقم ۱۱۵۹۵، وصححه الألبانی فی صحیح أبی داود رقم الحدیث ۲۱۰، وفی السلسلة الصحيحة رقم الحدیث ۲۰۲۱)

روایت انسؓ سے، کہا: نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے، تو لوگوں کے دو تہوار تھے جن میں وہ کھیل تماشا کرتے۔ آپ نے فرمایا: ان دونوں کی کیا حقیقت ہے؟ انہوں نے عرض کی: ان دو مواقع پر جاہلیت میں ہم کھیل تماشا کر لیتے تھے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے ان دونوں کو بدل کر تمہیں ان سے بہتر تہوار دے دیے ہیں: عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔

یہ حدیث جسے ابوداؤد کے علاوہ نسائی اور احمد نے بھی روایت کیا ہے، صحت کے لحاظ سے مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

اب اس حدیث کے حوالہ سے جو وجہ دلالت ہے، ذرا اس کو سمجھ لو:

یہ جو دو جاہلی تہوار تھے، ظاہر ہے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اس پر سنہ اقرار نہ دیا۔ اور نہ ان کو اس معاملہ میں اپنے حال پر چھوڑا کہ چلیں ایک چیز چل رہی ہے تو چلتی رہے (حالانکہ بے شمار معاملات میں آپ ﷺ نے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑا بھی ہے)۔ بلکہ فرمایا: إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا يَوْمَيْنِ آخَرَيْنِ ”اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو بدل کر تمہیں ان سے بہتر تہوار دے دیے ہیں“۔

اس حدیث میں تم دیکھتے ہو، لفظ ابدال آیا ہے، جس کا مطلب ہے: to replace؛ ایک چیز کو ہٹا کر دوسری چیز لانا۔ جس سے کچھلی چیز کا ترک کرنا خود بخود لازم آتا ہے۔ اب یہ تصور کہ کچھلی چیز بھی رہے اور نئی چیز بھی چلے، اس پر ابدال کا لفظ صادق ہی نہ آئے گا۔ ابدال کا لفظ جب آئے گا کچھلی چیز کے زائل ہو جانے کا معنی لازم آدے گا۔ (یہاں امام صاحب قرآن مجید اور احادیث سے ابدال کے مادہ پر بہت سے لغوی شواہد لے کر آتے ہیں؛ جو ہم یہاں ذکر نہیں کر رہے)۔

اب یہاں ایک چیز پر غور کر لو تو اس موضوع پر اسلامی طرزِ عمل کی پوری حقیقت تم پر کھل جائے گی:

یہ تو تم جانتے ہو کہ انس ؓ کی حدیث میں جن دو جاہلی تہواروں کا ذکر ہوا، وہ مکمل طور پر مٹ گئے اور نبی ؐ کے یہ فرما دینے کے بعد ان تہواروں کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ اگر تم سماجیات سے کچھ بھی واقف ہو تو اس پر سوچو کہ اتنا بڑا واقعہ مدینہ میں یکنخت کیسے رونما ہو گیا۔ تصور تو کرو، ایک قوم کے تہوار یکسر نابود ہو جاتے ہیں! ان کا کوئی ادنیٰ ترین تسلسل بھی تو سننے پڑھنے میں نہیں آتا! صدیوں سے چلی آتی ایک چیز معاشرے میں ختم ہو کر رہ جائے، یہ کوئی آسان بات نہیں۔ ’تہوار وہ چیز ہے جو ایک قوم کی رگ رگ میں اتری ہوتی ہے؛ بچہ بچہ اس کے لیے جوش و خروش رکھتا ہے، حتیٰ کہ پورا پورا سال انتظار ہوتا ہے، مگر قربان جائیے، نبی ؐ کی مدینہ آمد کے بعد ان تہواروں کا ذکر تک نہیں ملتا! ایسی چیزوں کو معاشروں سے چھڑوا لینے میں تو بڑے بڑے بادشاہ ناکام ہوتے دیکھے گئے ہیں۔ تو پھر خود سوچو، اہل مدینہ نے نبی ؐ کے الفاظ ”إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَبَدَلَكُمْ بِهِمَا“ سے اگر ”ممانعت“ کا معنی ہی نہ سمجھا ہوتا تو وہ تہوار اُتنے جوش و خروش سے نہ سہی کچھ نہ کچھ تو باقی رہتے! سب سے مشکل کام کوئی ہے تو وہ یہ کہ

معاشرہ کے منہ کو لگی ایک چیز ان سے چھڑوا دی جائے؛ خصوصاً عورتوں اور بچوں سے! یہ رسول اللہ ﷺ کی قوی ممانعت کا ہی اثر ہو سکتا تھا؛ ورنہ ایسا معجزہ ہو جانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب یہاں کوئی شخص یہ نکتہ نکالے کہ حدیث انسؓ سے تو ایک چیز کی ممانعت ہی ثابت نہیں ہوتی تو تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ صرف شریعت سے ہی ناواقف نہیں سماجیات سے بھی نابلد ہے۔

یہ ایک ہی بات تم پر واضح ہو جائے تو اس مسئلہ کا سارا اشکال چلا جاتا ہے۔ اب ایک اور چیز سمجھ لو۔ مسلم معاشرے میں دین جاہلیت کا چلن ہونے سے ڈرنا بے شک ضروری ہے مگر جاہلی عادات و اطوار اور جاہلی تہواروں کا چلن ہو جانے سے ڈرنا اس سے کہیں بڑھ کر ضروری ہے۔ کیونکہ؛ جہاں تک اُن کے دین کا تعلق ہے تو ہمیں احادیث سے معلوم ہے کہ زمانہ آخر تک ایسا ہونے والا نہیں کہ ہم اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین میں چلے جائیں۔ پس یہ خطرہ تو بہت کم ہے کہ مسلم معاشرے سیدھا سیدھا عیسائیت یا یہودیت یا بت پرستی کا مذہب قبول کر لیں۔ البتہ یہ خطرہ بے حد زیادہ ہے، جیسا کہ احادیث میں بھی جا بجا خبردار کیا گیا ہے، کہ مسلم معاشرے یہود و نصاریٰ کی سنتوں کا اتباع کرنے لگیں۔

۲۔ حدیث ثابت بن ضحاکؓ:

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ، قَالَ: نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَنْحَرَّ إِلَّا بِبُؤَانَةٍ، فَاتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَنْحَرَ إِلَّا بِبُؤَانَةٍ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هَلْ كَانَ فِيهَا وَثْنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لَا. قَالَ ﷺ: فَهَلْ كَانَ فِيهَا عَيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوا: لَا. قَالَ ﷺ: أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ، وَلَا فِيْمَا لَا

يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ۔ (رواہ ابو داود کتاب الايمان والنذور رقم: ۳۳۱۳، وأحمد، وابن ماجه)

ثابت بن ضحاکؓ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ بوانہ کے مقام پر کچھ اونٹ ذبح کرے گا۔ تب وہ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی: میں نے نذر مان لی ہے کہ بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت ہوتی ہو؟ صحابہؓ نے عرض کی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں اُن کے تہواروں میں سے کوئی تہوار تھا؟ صحابہؓ نے عرض کی: نہیں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرلو؛ کیونکہ ایسی نذر کا پورا کرنا (اسلام میں) نہیں جو اللہ کی معصیت میں ہو، یا جو آدمی کے بس سے باہر ہو

(البانی نے سنن ابی داود کی تخریج میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے (صحیح سنن ابی داود رقم: ۲۸۳۴)، خود امام ابن تیمیہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے، اور یہ اسناد صحیحین کی شرط پر پوری اترتی ہے، اس کی اسناد میں سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں، یہ متصل ہے اور اس کی سند میں کوئی عنعنہ نہیں)

(اس کے بعد امام ابن تیمیہ انہی الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ پر مبنی کچھ دیگر روایات حدیث بھی لے کر آتے ہیں، مگر ہم نے ایک ہی روایت کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے)

اس حدیث میں وجہ دلالت:

رسول اللہ ﷺ اس شخص کو نذر پوری کرنے کی اجازت دینے سے پہلے جو دو سوال پوچھتے ہیں، وہ اس موضوع پر فیصلہ کن ہیں۔ ایک یہ دریافت فرمایا کہ: کیا وہاں اہل جاہلیت کا کوئی بت تو نہیں پوجا جاتا تھا؟ دوسرا یہ کہ: کیا وہاں اہل جاہلیت کا کوئی تہوار تو منعقد نہیں ہوتا تھا؟ جب دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ملا تو آپ ﷺ نے اُس کو وہاں اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت دی۔ اور پھر جو الفاظ آپ ﷺ نے بولے وہ بھی قابل غور ہیں: فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ یعنی ”نذر میں خدا کی معصیت ہو تو اس کو پورا کرنا درست نہیں۔“ پس واضح ہوا جاہلیت کی عید اور تہوار خدا کی معصیت

میں آتا ہے۔ حالانکہ نذر کو پورا کرنے کی بابت رسول اللہ ﷺ کہاں تک گنجائش دیتے ہیں، اس کا اندازہ ایک دوسری حدیث سے کیجئے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ امْرَأَةً أَتَتْ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى رَأْسِكَ بِالذُّفِّ - قَالَ: أَوْفِي بِنَذْرِكَ - قَالَتْ: إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَذْبَحَ بِمَكَانٍ كَذَا كَذَا - مَكَانٌ كَانَ يَذْبَحُ فِيهِ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ - قَالَ: لَصَنَمٍ؟ قَالَتْ: لَا - قَالَ: لَوْثْنٍ؟ قَالَتْ: لَا - قَالَ: أَوْفِي نَذْرَكَ - (أبو داود، رقم الحديث ۳۳۱۲، وأحمد - صححه الالبانی فی صحيح أبي داود ۲۸۳۳)

عمر بن شعیب اپنے والد سے، اور ان کے والد ان کے دادا (عبداللہ بن عمرو) سے روایت کرتے ہیں: ایک عورت نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ میں نے نذر مان لی کہ (اللہ آپ کو بہ سلامت غزوہ سے واپس لے آئے تو) میں آپ کے سر ہانے دف بجاؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کر لو۔ وہ کہنے لگی: میں نے نذر مان لی ہے کہ میں فلاں مقام پر جانور ذبح کرو، یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں اہل جاہلیت اپنے جانور ذبح کر لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: وہ کسی صنم (بت) کے لیے ذبح کیا کرتے تھے؟ کہنے لگی: نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: وہ کسی وثن (غیر مرئی بت) کے لیے ذبح کیا کرتے تھے؟ کہنے لگی: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کر لو۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ.....: ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے سر ہانے کھڑی ہو کر دف (ہلکی ڈھولکی قسم کی چیز) بجانے کی نذر مان لیتی ہے تو آپ ﷺ اُس کو نذر پوری کرنے کی اجازت دے دیتے ہیں (اس عمرو بن شعیب والی حدیث میں)۔ جبکہ (ثابت بن ضحاک والی حدیث میں) جاہلیت کے تہوار کی جگہ پر جا کر نذر پوری کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ظاہر ہے اُس صحابی نے معاذ اللہ کوئی غیر اللہ کے نام پر تو اونٹ

ذبح نہیں کرنے تھے۔ مگر جاہلی تہوار کی شاعت ایسی بری ہے کہ خدا کے نام کی مانی ہوئی ایک نذر بھی وہاں پر ممنوع ٹھہرے گی۔

اب ذرا سوچو..... جاہلی تہوار کے لیے مخصوص ایک جگہ کی یہ شاعت ہے تو خود اس تہوار ہی کی کیسی شاعت ہوگی؟ خود اُس تہوار ہی میں جا شرکت کرنا شنیع کیوں نہ ہوگا؟ اس تہوار کی مناسبت سے جو اعمال مختص سمجھے جاتے ہیں اُن میں سے بعض اعمال کا ارتکاب کر لینا شریعت میں کیوں مذموم نہ ہوگا؟

پھر ایک اور بات پر غور کرو..... حدیث کے الفاظ ہیں فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عَيْدٌ مِّنْ اَعْيَادِهِمْ؟ ”کیا وہاں اہل جاہلیت کے تہواروں میں سے کوئی تہوار (منایا جاتا) تھا“۔ یعنی آپ ﷺ ماضی کے بارے میں دریافت فرما رہے ہیں نہ کہ حال کے بارے میں۔ حدیث کے بعض دیگر طرق سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آدمی نے نبی ﷺ سے یہ سوال حجۃ الوداع کے موقع پر کیا تھا۔ یعنی وہ وقت جب جزیرہ عرب اسلام کے زیر نگیں آچکا تھا اور وہاں کے سب جاہلی تہوار موت کی نیند سلائے جا چکے تھے۔ لہذا آپ ﷺ کا سوال تب ماضی ہی کی بابت ہو سکتا تھا۔ مراد یہ کہ اب تو کسی جاہلی تہوار کا سوال ہی کہاں رہ گیا، یہ بتاؤ کیا ماضی میں بھی وہاں جاہلیت کے تہواروں میں سے کوئی تہوار تو نہیں منایا جاتا تھا؟ پس واضح ہوا کہ ماضی میں بھی اگر کہیں پر جاہلی تہوار منعقد ہوتا تھا تو ایسے مقام کی یہ شاعت ہے۔ جب ایسا ہے تو پھر ایک حاضر باش جاہلی تہوار میں شرکت کرنے چل پڑنا کیوں شنیع نہ ہوگا؟

اندازہ کر لیجئے، ایک خطہ پوری طرح اسلام کے زیر نگیں آ جاتا ہے اور جاہلیت کا سب کچھ وہاں پر قصہ پارینہ بنا دیا جاتا ہے۔ پھر بھی آپ ﷺ یہ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ مبادا کسی جاہلی عمل یا جاہلی مظہر کو مسلم معاشرے میں از سر نو زندگی مل جائے۔

پھر جبکہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ جس تہوار کی بابت آپ ﷺ دریافت فرما رہے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ کوئی میلہ قسم کی چیز ہوگا، جہاں عربوں کا کھیل تماشا ہو جاتا ہوگا۔ خود مدینہ کے جو دو تہوار تھے (جن کا ذکر پچھلی حدیث میں گزرا) اُس میں بھی انصارؓ نے آپ ﷺ کے دریافت فرمانے پر کسی بت یا کسی عبادت کی مناسبت ذکر نہیں کی، صرف اتنا کہا کہ اس دن ہم اپنا کھیل تماشا کر لیتے تھے (كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِى الْجَاهِلِيَّةِ)۔ یعنی اس کی کوئی مذہبی مناسبت ہمیں نہیں ملتی^(۶)۔ یہ تو رہا مدینہ والے تہوار کا معاملہ۔ پھر اس (بوانہ والے) مسئلے کی بابت تو آپ دیکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ ”بت“ کی بابت علیحدہ پوچھتے ہیں (کہ آیا بوانہ کے مقام پر جاہلیت کا کوئی بت تو نصب نہ تھا) اور پھر ”تہوار“ کی بابت علیحدہ پوچھتے ہیں (کہ آیا وہاں اہل جاہلیت کا کوئی تہوار تو نہ تھا)۔ یہ واضح دلیل ہوئی کہ جاہلیت کے تہواروں کے ساتھ مختص اشیاء میں سے کسی بھی شے کو کسی بھی انداز میں کرنا شدید منع ہے۔

مزید برآں، پچھلی حدیث کے ضمن میں ہم نے ایک بات خاص مدینہ کے حوالے سے ذکر کی تھی۔ مگر اب یہاں غور کرو کہ پورے جزیرہ عرب میں ہی عیدین سعیدین کے سوا کوئی تہوار باقی نہیں رہنے دیا گیا۔ کیا تم اس میں ہرگز کوئی دلالت نہیں دیکھتے؟ سوچنے کی بات ہے کہ کتنے ان گنت تہوار ہوں گے جو جزیرہ عرب میں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیے گئے۔ ایک پوری قوم کی زندگی سے، اُس کے صدیوں سے چلتے آئے تہواروں کو حرفِ غلط کی طرح مٹا ڈالنا کیا کوئی معمولی بات ہے؟ بغیر ”شدید ممانعت“ کے اتنی بڑی چیز کہاں ختم ہونے والی تھی؟ اس پر ذرا تدبر کرو، تو کوئی شک

(۶) یہاں وہ حضرات غور فرمائیں جو کرسمس کو عیسائیوں کا ایک سماجی تہوار قرار دے کر جائز کرنے کے چکر میں ہیں۔ اپنی اسی ”دلیل“ کی رو سے ابھی شاید یہ ”دیوالی“ پر بھی ہاتھ صاف کریں!

ہی نہیں رہ جاتی کہ امام المتقین علیہ السلام نے۔۔۔ میری ماں اور باپ آپ پر قربان ہوں۔۔۔ ان سب جاہلی رسوم اور تہواروں کو جزیرہ عرب کے اندر باقاعدہ ختم کروایا تھا۔ جیسا کہ کتاب کے شروع میں بھی یہ بات گزری ہے..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اُن نیکیوں یا اُن مباحات کے معاملہ میں جو دو ملتوں کے مابین کسی وجہ سے ”مشترک“ ہیں، کچھ نہ کچھ ایسے ”فرق“ جاری فرما دیتے ہیں کہ جہاں اشتراک ہے وہاں بھی ایک فاصلہ قائم ہو جائے۔ اور یہ بات تم شریعت میں جا بجا دیکھو گے۔ تو پھر جس شریعت میں اس بات پر پورا زور صرف کر دیا گیا ہو کہ اشتراک والی جگہوں پر بھی ”فرق“ کو نمایاں کر کے رکھا جائے وہ اُن امور میں ”موافقت“ کی روادار کیسے ہو سکتی ہے جن میں ہے ہی مخالفت؟! بات نہایت واضح ہے؛ شریعت اسلام نے تمہاری ایک ضرورت کا شدید خیال رکھا ہے: تمہارے اور اصحاب دوزخ کے مابین فاصلہ جتنا زیادہ رہے گا اتنا ہی تمہارا، اصحاب دوزخ کے اعمال میں جا پڑنا، دُور از امکان رہے گا۔

۳- حدیث عائشہ:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَى أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ وَعِنْدِي جَارِيتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ تُغْنِيَانِ بِمَا تَقَاوَلْتُ بِهِ الْأَنْصَارِ، يَوْمَ بُعَاثٍ۔ قَالَتْ: وَلَيْسَتَْا بِمُغْنِيَتَيْنِ۔ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ أُبِمَزْمُورِ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟ وَذَلِكَ يَوْمَ عَيْدٍ۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عَيْدًا وَهَذَا عَيْدُنَا (متفق علیہ)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہا: ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے ہاں تشریف لائے جبکہ میرے پاس دو انصاری لڑکیاں تھیں جو گارہی تھیں اُن رجزیہ اشعار پر جو انصار نے جنگ بعاث کے موقع پر گائے تھے۔ عائشہ کہتی ہیں: یہ دونوں کوئی (باقاعدہ)

گانے والیاں نہ تھیں۔ تب ابوبکرؓ بولے: کیا اللہ کے رسول ﷺ کے گھر میں شیطان کے راگ؟ جبکہ یہ عید کا دن تھا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے، اور آج ہماری عید ہے۔

اس حدیث میں وجہ دلالت تین پہلوؤں سے ہے:

۱۔ ہر قوم کی عید اپنی اپنی۔ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا اس حدیث کے الفاظ اور ان دو قرآنی آیتوں کے الفاظ کے مابین مماثلت پر ذرا غور کرو: وَلِكُلِّ وَجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيُّهَا (البقرة: ۱۴۸) ”ہر کسی کی کوئی سمت ہے جس کی طرف اُس کو رخ کرنا ہوتا ہے“۔ اور لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (المائدة: ۴۸) ”تم میں سے ہر کسی کے لیے ہی ہم نے ایک شریعت اور ایک منہاج ٹھہرا دیا ہے“ اول الذکر آیت، قبلہ سے متعلق ہے اور لِكُلِّ کا لفظ بول کر ہر امت کا الگ الگ اختصاص واضح کیا گیا ہے، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں وہاں پر یہ بھی فرمایا گیا: وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قَبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قَبْلَةِ بَعْضٍ (البقرة: ۱۴۶) ”اور تم اُن کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں ہو، اور وہ بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں“۔ چنانچہ ان دو آیتوں کی طرح حدیث (لِكُلِّ قَوْمٍ) میں بھی لام اختصاص کا آیا ہے۔ یعنی جس طرح از روئے آیت قبلہ میں شرعی اختصاص ہے (ہر امت کا اپنا اپنا قبلہ) ویسے ہی از روئے حدیث عید میں شرعی اختصاص ثابت ہوتا ہے؛ یعنی یہود کی اپنی عید، نصاریٰ کی اپنی، اور مسلمانوں کی اپنی۔ جب اختصاص ہے تو کوئی کسی دوسرے کے قبلہ کی طرف جائے گا اور نہ دوسرے کی عید کی طرف۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمانا: وَإِنَّ عِيدَنَا هَذَا الْيَوْمَ ”اور ہماری عید آج ہے“، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے تہوار ان دو مواقع کے اندر محصور ہیں۔ الیوم پر جو الف

لام ہے وہ استغراق کا فائدہ دیتا ہے؛ جیسے فرمایا: تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرَ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ ”نماز کی تحریم، تکبیر ہے اور تحلیل، تسلیم“۔ (تکبیر پر ال کا فائدہ یہ ہوا کہ: تکبیر ہی سے نماز کی تحریم ہوگی۔ اور تسلیم پر ال کا فائدہ یہ کہ: سلام سے ہی نماز کی تحلیل ہوگی۔ یعنی ایسا نہیں کہ تکبیر سے بھی تحریم ہو جاتی ہو البتہ تکبیر کے علاوہ کسی چیز سے بھی تحریم ہو جاتی ہو، یا یہ کہ سلام کے علاوہ کسی لفظ سے بھی نماز کی تحلیل ہو جاتی ہو۔ یہ فائدہ ہوا استغراق کے ”ال“ کا)۔ جبکہ لفظ هذا سے رسول اللہ ﷺ کا اشارہ روزِ عید کی جنس کی طرف ہے نہ کہ عین کی طرف؛ لہذا عید الفطر کے ساتھ عید الاضحیٰ (اپنے پورے ایام کے ساتھ) خود بخود شامل ہوگی؛ جیسا کہ ابو داؤد اور نسائی میں عقبہ بن عامر ؓ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَأَيَّامُ مِنَىٰ عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ، وَهِيَ أَيَّامُ أَكْحَلٍ وَشُرْبٍ ”یومِ عرفہ، یومِ قربان، اور منیٰ کے ایام ہم اہل اسلام کی عید ہیں، اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں“۔

۳۔ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا کے الفاظ نبی ﷺ نے بچیوں کے گانے وغیرہ پر رخصت دینے کے سیاق میں ارشاد فرمائے ہیں۔ پس یہ رخصت اس مناسبت سے ہوگی کہ یہ ”مسلمانوں کی عید“ ہے۔ کسی اور ”عید“ کے لیے یہ احکام ہی نہ ہوں گے۔ ورنہ ایک بات کی اگر ہر وقت ہی گنجائش ہے تو خاص یہ لفظ بول کر کہ ”ابو بکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے“ کوئی خصوصی گنجائش بتانے کا کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتا۔

۴۔ ابو ہریرہ و حذیفہ رضی اللہ عنہما کی (ہفتہ وار عید والی) حدیث سے ایک اہم استدلال:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، بَيَدَ أَنَّهُمْ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا، وَأَوْتَيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هَذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ، فَاخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَذَا اللَّهُ

لَهُ، فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ: الْيَهُودُ غَدًا وَالنَّصَارَى بَعْدَ غَدٍ (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ”ہم (دنیا میں) میں آخری ہیں اور قیامت کے روز پہلے۔ باوجود اس کے کہ اُن کو کتاب ہم سے پہلے ملی اور ہمیں اُن کے بعد، دن اُن کا بھی یہی (جمعہ) تھا جو اُن پر فرض کیا گیا، تو اُنہوں نے اس کے معاملے میں اختلاف کر لیا، تب اللہ نے ہمیں اس کی راہنمائی کر دی۔ پس لوگ ہمارے پیچھے ہوں گے، یہود کل، تو نصاریٰ پرسوں“

وَفِي حَدِيثٍ حُذِيفَةَ رضی اللہ عنہ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: أَضَلَّ اللَّهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَوْمُ السَّبْتِ، وَكَانَ لِلنَّصَارَى يَوْمُ الْأَحَدِ، فَجَاءَ اللَّهُ بِنَا فَهَذَا نَا يَوْمُ الْجُمُعَةِ، فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ وَالسَّبْتَ وَالْأَحَدَ، وَكَذَلِكَ هُمْ تَبَعٌ لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمَقْصُصِيُّ لَهُمْ۔ وَفِي رَوَايَةٍ بَيْنَهُمْ۔ قَبْلَ الْخَلَائِقِ (رواہ مسلم)

حدیث حذیفہ رضی اللہ عنہ: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: ”اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلوں کو روزِ جمعہ سے بھٹکا دیا، چنانچہ یہود کا ہفتہ ہوا، نصاریٰ کا اتوار۔ تب اللہ ہمیں لایا اور ہم کو روزِ جمعہ کی ہدایت فرمادی اور (ترتیب) رکھی: جمعہ، ہفتہ، اتوار۔ ایسے ہی وہ قیامت کے روز ہم سے پیچھے ہوں گے۔ دنیا میں ہم آخری ہیں مگر قیامت کے روز ہم مخلوق میں وہ پہلے لوگ ہوں گے جن کے مابین فیصلہ کیا جائے گا“

یہاں؛ آپ دیکھتے ہیں ہفتہ وار تہوار کے معاملہ میں امتوں کا اختصاص بار بار کس وضاحت سے بیان ہوتا ہے۔ (لام اختصاص کی تکرار پر ذرا غور کرو)۔ یعنی یہود کا، ہفتہ۔ عیسائیوں کا، اتوار۔ مسلمانوں کا، جمعہ۔ لغت میں: اگر تم کہو: ”یہ کپڑا رہا زید کا، یہ رہا بکر کا، اور یہ رہا عمرو کا“..... تو اس سے زید، بکر اور عمرو تینوں میں سے ہر

ایک کے لیے الگ الگ کپڑا ہونے کا معنی لازم آئے گا۔ اسی کو اختصاص کہا جاتا ہے۔ لہذا؛ اہل جمعہ کا، اہل سبت یا اہل اتوار کے ساتھ ”شامل“ ہونا آپ سے آپ باطل ہو جاتا ہے ورنہ اس حدیث کا کوئی معنی باقی نہ رہے گا۔ تو پھر اگر ہفتہ وار عید^(۷) کا یہ معاملہ ہے تو سالانہ عید کا یہ معاملہ کیوں نہ ہوگا، بلکہ سالانہ عید کے لیے تو امتوں کا جوش و خروش کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

(۷) بلاشبہ حدیث میں ”جمعہ“ کو مسلمانوں کی عید کہا گیا ہے (یعنی ہفتہ وار عید)۔ اور اس دن نہانے دھونے اور خصوصی اہتمام کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما، قال: قال رسول اللہ ﷺ: إِنَّ هَذَا يَوْمٌ عِيدٌ جَعَلَهُ اللَّهُ لِلْمُسْلِمِينَ، فَمَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ، وَإِنْ كَانَ طِيبٌ فَلْيَمَسَّ مِنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَاكِ (رواہ ابن ماجہ کتاب إقامة الصلوة والسنة فیہا رقم الحدیث ۱۰۹۸، البانی نے اسے حسن کہا ہے، دیکھئے: البانی کی صحیح ابن ماجہ رقم الحدیث ۹۰۱، نیز مشکاۃ پر البانی کی تخریج رقم ۱۳۹۸) ”ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ (جمعہ) اللہ نے مسلمانوں کے لیے روز عید بنایا ہے۔ پس جو شخص جمعہ کو آئے اُسے چاہئے کہ غسل کرے، خوشبو ہو تو وہ لگائے۔ اور دانت بھی ضرور صاف کرے۔“

کسی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث نہ بھی سنی ہو، اسلامی زندگی میں جمعہ کی مرکزی حیثیت ایک جاہل سے جاہل انسان کو بھی معلوم ہے۔ عالم اسلام میں صلیب کی پیش قدمی کے حوالے سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ ڈیڑھ عشرہ پیشتر یہاں کے ایک رائٹ ونگ وزیر اعظم کی جانب سے مسلمانوں کی ہفتہ وار تعطیل، جمعہ سے شفٹ کر کے اتوار پر لے جانا چرچ کی عالمی مہم برائے تنصیر campaign for Christianizing the world کے لیے ایک تاریخ ساز قدم تھا۔ یہ اقدام اس ظالم شخص نے قوم سے اپنے پہلے ہی شریاتی خطاب میں کیا، ساتھ (علمائے دُربار کے تلقین کردہ) کچھ شرعی دلائل سے بھی قوم کو مستفید فرمایا۔ یہی دلائل بعد ازاں اُس کی اتحادی مذہبی جماعتوں کے پیروکاروں سے جگہ جگہ سنے گئے کہ قرآن حدیث سے دلیل دو کہ جمعہ کو چھٹی کرنی چاہئے! نیز یہ کہ سورۃ الجمعۃ میں تو یہ کہا گیا ہے کہ نماز پڑھ لو تو تلاش روزگار کے لیے زمین میں نکل کھڑے ہو۔ لہذا یہاں تو ”کام کرنے“ کا ذکر ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ)

”چھٹی“ کا ذکر کہاں ہے؟ گو یاد دین کی اصل روح انہوں نے ہی سمجھی ہے! بہت خوب! تو پھر قرآن حدیث میں تو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی چھٹی کا بھی کہیں ذکر نہیں ہے؛ لہذا یوں کرو کہ ”قرآن حدیث“ کی اس سپرٹ کو صحیح صحیح قائم کرنے کے لیے عیدین کی چھٹی ختم کر کے ”کرسمس“ کی چھٹی رائج کر دو!

ایک اندھا بھی دیکھ سکتا ہے: یہ مقامی واقعات، تیزی کے ساتھ جاری ایک عالمی عمل کی بازگشت ہیں۔ عین اس جگہ پر مسئلہ کو قرآن حدیث سے ’تعطیل‘ ثابت ہونے یا نہ ہونے کی طرف لے جانا ایک شاطرانہ ’مذہبی‘ حربہ ہے اور اپنی اصل کے اعتبار سے صرف علمائے یہود کو زیب دیتا ہے۔

صاف سی بات ہے، اپنے اس دُور رس اقدام سے اس شخص نے ملتِ اسلام کے قلب میں صلیب کا اتنا بڑا خنجر گھونپا ہے کہ ”تہذیبوں کے گھمسان“ میں دشمن کو صدیوں کے حساب سے پیشرفت دلوادی گئی۔ ان اشیاء کو سرسری لینا ظلم ہے۔ یہ شخص (بمعہ اپنے علمائے دربار) اگر اپنے اس جرم کا دھونا نہیں دھوتا یا کم از کم اس کے لیے پریشان اور سرگرم نظر نہیں آتا تو دعا ہے کہ اللہ اس سے پوری ملتِ اسلام کا انتقام لے جس کو باندھ کر اور اس کے تہذیبی وجود کو بے بس کر کے اس وقت ملتِ صلیب کے آگے ڈالا جا رہا ہے۔

اب آئیے آیتِ سورہ جمعہ کی اصل دلالت کی جانب..... آپ کو یاد ہو تو شروع کتاب میں امام ابن تیمیہ نے ”مقاصد شریعت“ کے حوالے سے یہ نکتہ بیان فرمایا تھا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے احکام میں جہاں ظاہری اشتراک ہو، وہاں بھی شریعت کی جانب سے کچھ نہ کچھ فرق کروا دیا جاتا ہے تاکہ دو ملتوں کے مابین لکیر کو گہرے سے گہرا کیا جائے۔ اب مثلاً؛ حیض کی حالت میں نماز روزہ اور مباشرت سے اجتناب ہر دو شریعت کے اندر موجود ہے، مگر یہود کی سخت شریعت کے مقابل اسلام کی نرم شریعت میں یہ فرق کروایا گیا کہ یہود عورت کو حالتِ حیض میں بالکل الگ تھلگ کر دیتے ہیں مگر تم مسلمان گھل مل سکتے ہو، صرف حالتِ نماز و روزہ یا صریح مباشرت وغیرہ سے پرہیز ہے۔ بعینہ اسی طرح؛ جمعہ میں نماز کی پکار لگ جانے کے بعد سب اعمالِ دنیا کو معطل ٹھہرا دینا سورۃ جمعہ میں فرض ٹھہرا دیا گیا۔ ظاہر ہے یہود بھی اپنے سبت کو یہی حیثیت دیتے ہیں۔ یہ ایک ”اشتراک“ ہوا۔ لہذا اگلی آیت میں ہر دو شریعت کے مابین ایک ”فرق“ کروا دیا گیا اور وہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ از گزشتہ صفحہ)

یہ کہ یہود کے ہاں سبت کا پورا دن اعمال دنیا سے پرہیز کرنا زروئے شریعت ضروری ہے (قرآن میں سبت کو مچھلیاں پکڑنے والوں پر عذاب کا ذکر تک آتا ہے)۔ مگر مسلمانوں پر یہ چیز پورا دن فرض نہیں ہے۔ اصول فقہ میں ایک معروف قاعدہ ہے کہ صیغہ امر اگر ممانعت کے بعد آئے تو وہ اباحت (جواز) کا فائدہ دیتا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں اذان جمعہ ہوتے ہی ہر کام معطل کر دینے کا حکم ہوا، اب یہاں اعمال دنیا کی اجازت دے کر باقی دن کے لیے مسلمان کو آزاد کر دیا اور یہود کی شریعت سے امتیاز بھی۔ پس یہ ایک تخفیف کا ذکر ہے، نیز یہود کی شریعت سے ہماری شریعت کا ایک فرق۔ خصوصاً جبکہ آغازِ سورت میں ”امیوں“ اور ”یہودیوں“ کے مابین کچھ نہایت عظیم الشان فرق بیان کیے گئے ہیں۔

خود اسی کتاب (اقتضاء الصراط المستقیم) میں ایک جگہ امام ابن تیمیہؒ اس بات کو مذموم ٹھہراتے ہیں کہ یہود کی دیکھا دیکھی بعض مسلمان بھی یہود کے سبت کی طرح اپنے جمعہ کو دنیوی کام کاج کے لیے معیوب اور متروک بنانے لگے ہیں اور جو کہ ”مشابہت“ میں آتا ہے جبکہ ہماری شریعت نے صراحت کے ساتھ اس مسئلہ پر یہود کی شریعت سے فرق کروایا ہے۔

یہ ہے حقیقت آیاتِ جمعہ میں اعمال روزگار کے اول ممنوع اور بعد از نماز جائز ہونے سے متعلق احکام کی۔ جس کی ایک بہت بڑی بنیاد اہل کتاب سے مشابہت ختم کرنا بھی ہے۔ کوئی اس سپرٹ کو شدید حد تک قائم کرنے کے لیے ”ہفتہ وار تعطیل“ ہی کے تصور پر تنقید کرے تو بات سمجھ آتی ہے، کہ اس شخص کو اہل کتاب سے مشابہت اس حد تک ناگوار ہے۔ البتہ ”تعطیل کا تصور“ تو وہ ویسے کا ویسا لے کر چلے، مگر اُسے اہل اسلام کے خصوصی دن (اہل اسلام کی ہفتہ وار عید) سے اٹھا کر عیسائیوں کی ہفتہ وار عید پر لے جائے، تو ایسے ہی شخص کے لیے عربی میں بولا جاتا ہے فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَقَامَ تَحْتَ الْمِيزَابِ ”بارش سے بھاگا اور پر نالے کے نیچے جا کھڑا ہوا“۔ صاف ظاہر ہے اس کے پیچھے کوئی فقہی استدلال نہیں، بلکہ دنیاۓ حقیر کے بدلے آیاتِ خداوندی کو پیچنا ہے۔ دین سے نابلد ایک پرائم نمٹر کو سورۃ الجمعة سے دلیل بھانے والے، اس آیت پر پہنچنے سے پہلے اسی سورت کے اس مقام سے بھی گزرے ہوں گے:

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا

۵- حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

عن کرب بن مولى ابن عباس رضى الله عنهما، قال: أرسلنى ابن عباس وناسٌ من أصحاب النبى صلی اللہ علیہ وسلم إلى أم سلمة رضى الله عنها، أسألها: أى الأيام كان النبى صلی اللہ علیہ وسلم أكثرها صياماً؟ قالت: كان يصوم يوم السبت ويوم الأحد أكثر ما يصوم من الأيام، ويقول: إنهما يوم عید للمشرکین فأنا أحب أن أحالفهم۔ (رواه أحمد والنسائى وابن أبى عاصم... وصححه بعض الحفاظ)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کرب سے روایت ہے، کہا: مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور کچھ دیگر صحابہ نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کونسے دنوں کا روزہ سب سے زیادہ رکھا کرتے تھے؟ ام المومنین نے جواب دیا: سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ اور اتوار کا روزہ رکھتے اور فرماتے: یہ دونوں مشرکین کی عید کے ایام ہیں اور مجھے پسند ہے کہ میں ان کی مخالفت کروں

یہ حدیث بھی اس بات پر نص ہوئی کہ اہل کتاب کی مخالفت، چاہے کسی وقت ازراہ استجاب ہو، شریعت کے مقاصد اور اعتبارات میں بہر حال شامل ہے۔ اور یہ کہ اہل کفر کے تہواروں پر کوئی کام کرنے کا ہے تو وہ یہ ان کی مخالفت کی جائے نہ کہ ان کی موافقت۔ اس حدیث کے حوالے سے جو کئی سارے سوال اٹھتے ہیں، مثلاً یہ کہ ایک دوسری حدیث میں سبت کا روزہ منع ہے (البتہ علت وہاں بھی یہی بیان ہوئی کہ اس سے یہود کی مخالفت مقصود ہے، لہذا مقصد کے لحاظ سے صوم سبت سے منع کرنا بھی وہی فائدہ دیتا ہے جو یہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہاں دے رہی ہے) اور یہ کہ.. آیا سبت کا روزہ مطلق منع ہے یا مفرد طور پر (یعنی بغیر کوئی دن ساتھ ملائے)..... تو ان فقہی سوالوں^(۷)

(۸) اس مختصر اردو استفادہ میں ہم ان فقہی تفصیل کا ذکر نہیں کر سکیں گے

کا جواب ہم کتاب میں آگے چل کر دیں گے۔ یہاں یہ بات سمجھ لو کہ سبت کے روزہ پر علماء کا جو بھی اختلاف ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سبت کے معاملہ میں یہود کی مخالفت کرنا مستحسن ہے۔ جو عالم اُس دن روزہ کا قائل ہے وہ اس اعتبار سے کہ یہ اُن کی عید کی مخالفت ہے۔ اور جو اس سے ممانعت کرتا ہے وہ اس اعتبار سے کہ اس روز کوئی خصوصی عبادت کر لینے سے یہود کی مخالفت ایسا ایک مقصد دین متاثر ہوتا ہے۔ لہذا اس مسئلہ پر علمائے اسلام کے فریقین میں جو بھی فقہی اختلاف ہو، ہمارے بیان کردہ اس (اہل کتاب کی مخالفت والے) بحث کی ہر دو جانب سے تائید ہی ہوتی ہے۔

ج۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اپنا تعامل :

یہ تصور کرنا درست نہیں کہ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے آس پاس یہود و نصاریٰ کہیں پائے ہی نہیں گئے اور آج پہلی بار ہمیں ہی یہ دیکھنا ہے کہ اپنے آس پاس پائے جانے والے یہود و نصاریٰ کے ان تہواروں پر کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے! یہ درست ہے کہ نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے محارب یہود و نصاریٰ سے جنگیں کیں، مگر غیر حربی یہود و نصاریٰ کے ساتھ بھی اُن کو ہر ہر شہر اور ہر ہر ملک میں واسطہ رہا ہے۔ تو پھر اگر نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی یہود و نصاریٰ کے ساتھ (اُن کے تہواروں سمیت) واسطہ پیش آیا ہے تو کیا سب سے بڑھ کر یہ ضروری نہیں کہ ہم دیکھیں اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم دین اسلام پر کس طرح عمل پیرا ہوئے؟

خوب جان لو: سرزمین عرب میں زمانہ اول سے لے کر آج تک یہود و نصاریٰ پائے گئے ہیں۔ یہود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک جزیرہ عرب میں موجود رہے یہاں تک کہ خلیفہ دوم نے انہیں جزیرہ سے نکالا۔ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں یہود کی ایک بڑی تعداد تھی۔ آپ ﷺ نے اُن سے ایک معاہدہ بھی فرمایا یہاں تک کہ اُن کی طرف

سے پے در پے عہد شکنی ہوئی جس کے بعد اُن کی بڑی تعداد مدینہ سے نکال دی گئی پھر بھی اُن کے کچھ لوگ باقی رہے۔ آپ ﷺ نے رحلت فرمائی تو زرہ مبارک ایک یہودی کے پاس ہی رہن تھی۔ یمن یہودیوں سے بھرا ہوا تھا۔ نجران میں عیسائیوں کی کوئی حد نہ تھی۔ بحرین میں فارسیوں کی بہتات تھی۔ اور یہ دور نبوت کی بات ہے۔ اور یہ تو ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان سب ملتوں کے تہوار بھی ہوتے تھے!

اب یہاں ایک قاعدہ ازبر کرلو: ایک چیز کا قوی محرک نبی ﷺ کے سامنے باقاعدہ انداز میں پیش آیا مگر آپ ﷺ نے اس کو اختیار کرنے سے احتراز ہی فرمائے رکھا..... تو اُس چیز کو اختیار نہ کرنا ہی دین ہوگا۔

تو پھر؛ نبی ﷺ اور اصحاب ﷺ کی جانب سے کسی بھی انداز کی شرکت اپنے ’ہم وطن‘ اہل کفر کے تہواروں میں اگر مروی نہیں ہے..... کیا اس قضیہ کا فیصلہ کر دینے کے لیے یہی ایک بات کافی نہیں؟

اور جہاں تک معاشرہ میں اس کے لیے داعیہ پائے جانے کی بات ہے..... تو کیا یہ تصور ہو سکتا ہے کہ یہودی اور عیسائی اپنے تہوار منارہے ہوں، اچھے اچھے پکوان، زرق برق لباس، رنگارنگ اشیاء، باجے، بھنگڑے، نفیریاں، کھیلیں اور کبڈیاں سب چل رہی ہوں..... اور ادھر معاشرے کے عام بچوں، عورتوں اور فارغ طبقوں کو اُس کی طرف توجہ اور میلان تک نہ ہو!

اب جس شخص کو سیرت پر کچھ بھی اطلاع ہے وہ یقینی طور پر جانتا ہے کہ عہد نبوت میں مسلمان، کافروں کی ایسی کسی بات میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ کفار کے تہواروں کی خاطر اپنا کوئی ایک بھی معمول نہیں چھوڑتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ﷺ کے لیے کفار کا تہوار ہر ہر پہلو سے باقی دنوں جیسا ہی ایک دن تھا؛ ان دنوں کے لیے

اُن کے ہاں کسی ایک چیز کا اہتمام نہ ہوتا۔ ہاں کچھ اہتمام تھا تو ان عیدوں کی مخالفت کے حوالہ سے، مثل روزہ وغیرہ !

پس اگر ایسا نہ ہوتا کہ وہ دین ہی جسے دورِ اول کے مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ سے سیکھا اور سمجھا تھا اس امر میں شدید مانع ہو..... (حتیٰ کہ اس ممانعت کے سمجھنے میں کوئی کمی رہ گئی ہوتی)..... تو عہدِ اول کے مسلمانوں کی ایک تعداد تو ضرور ہی ایسی ہوتی جو ان چیزوں میں بدستور شرکت کر رہی ہوتی! کیونکہ ایک چیز کا محرک صحابہؓ کی زندگیوں میں قوی طور پر موجود تھا؛ اس حقیقت پر عقل، منطق، تاریخ سب شاہد ہیں۔ کیونکہ یہ ایک معلوم امر ہے کہ کافر ملتوں کے تہوار بہت پیچھے سے چلے آ رہے تھے اور قوموں کا جوش و خروش اپنی عیدوں اور تہواروں کے لیے کبھی کم نہیں ہوتا!

خلفائے راشدین کا پورا عہد، یہی دستور رہا۔

عہدِ اول میں اس حوالہ سے جو زیادہ سے زیادہ بے قاعدگی پائی گئی وہ یہ کہ مسلمانوں میں سے بعض لوگ ازراہ تجسس و تماشا ان کے میلوں کی رونق دیکھنے چلے جاتے۔ اس کا ذکر ضرور ملتا ہے.. اور اس پر عمرؓ کی سرزنش بھی! چنانچہ حضرت عمرؓ اور دیگر علمائے صحابہؓ سے اس بات کی ممانعت ملتی ہے کہ مسلمان، ذمیوں کے میلوں کا تماشا وغیرہ دیکھنے مت جائیں (جس کی کچھ تفصیل ہم آگے چل کر بتائیں گے)۔ اب آپ خود اندازہ کر لیں حضرت عمرؓ تو اُن کے تہواروں کی خالی سیر کر لینے سے ہی مسلمانوں کو روکتے ہوں جبکہ اُن تہواروں میں سیدھی سیدھی شرکت کر آنے میں حرج کی بات ہی نہ ہو! حضرت عمرؓ نے اس معاملہ میں جتنی بے قاعدگی دیکھی اُتنا نوٹس لیا، یعنی مسلمانوں کو وہاں تفریح سے ہی روک دیا۔ لیکن کیا خیال ہے کوئی مسلمان اُن اعمال اور تقریبات ہی میں ہی باقاعدہ شریک ہو کر آتا، اس کو حضرت عمرؓ چھوڑ دیتے؟!

یہاں تک دیکھ لو کہ جب بعض مسلمانوں کے ہاں یہ رجحان نظر آیا کہ وہ کفار کے تہواروں کے دن روزہ رکھیں گے اور جبکہ اس سے اُن کے پیش نظر کفار کی مخالفت کرنا ہی تھا۔ تو فقہاء کی ایک بڑی تعداد نے اس رجحان کی حوصلہ شکنی کی؛ کیونکہ اس سے بھی مسلمانوں کے یہاں کفار کے تہواروں کی ایک خصوصی حیثیت بن جانے کا اندیشہ پیدا ہو رہا تھا۔ کیا ان حقائق سے یہ چیز واضح نہیں ہو جاتی کہ عہدِ اول کے مسلمانوں نے اپنے نبی ﷺ سے جو دین لیا اُس میں کفار کے تہواروں میں ”شریک“ ہونے کی دور دور تک کوئی گنجائش نہیں؟

د: اجماع سے:

جہاں تک اجماع کی بات ہے تو وہ کئی پہلوؤں سے ہے:

اول۔ عہدِ اول کا متفقہ طرزِ عمل:

جس کی جانب میں ابھی اشارہ کر آیا ہوں: یعنی یہود، نصاریٰ، مجوس، سب ذمی اقوام مسلم خطوں میں شروع سے آج تک پائی گئی ہیں۔ جو کہ جزیہ دیتی رہیں اور اس کے مقابلے میں ان کو مکمل امان حاصل رہی۔ ان کو اپنے دین پر چلنے کی آزادی تھی، جس میں ان کے تہوار بھی آتے ہیں۔ معاشرے میں جب کسی ایک قوم کا تہوار ہو تو باقی اقوام میں یا کم از کم ان کے ایک طبقے میں اس کی جانب میلان اور شرکت کا محرک ضرور پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ پیچھے ہم واضح کر چکے۔ مگر سابقین ﷺ کے عہد میں کوئی مسلمان ایسا نہیں ملتا جو اہل ذمہ کے تہواروں میں شرکت کر کے آتا ہو۔ ایک ایسے دلچسپ اور رنگ برنگے تہوار میں شرکت کی جانب نفوس کا میلان طبعی بات ہے۔ پورا معاشرہ اس سے رکا رہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ”مانع“ اس سے بھی قوی تر ہو؛ جو کہ شریعت ہی ہو سکتی ہے۔ کافر تہواروں کے لیے مسلم نفوس میں اگر داخلی کراہت ہے اور وہ اُن کو اُس

طرف رخ کرنے نہیں دے رہی تو اس کراہت کے پیچھے شریعت ہے۔ اور اگر ویسے اس کو ”منع“ سمجھتے ہوئے اس سے دور رہتے ہیں تو اس ”منع“ کے پیچھے شریعت ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ ایک چیز کا محرک قوی ہو اور مانع کوئی نہ ہو پھر وہ چیز عمل میں آنے سے مسلسل رکی رہے۔ لامحالہ یہ مانع شریعت ہے؛ جو ایک پورے معاشرے کو برس ہا برس بلکہ صدیوں ایک عمل سے روکے رکھتی ہے باوجود اس کے کہ ماحول میں اس کے محرکات پوری طرح موجود ہیں۔

عہدِ اول میں ہمیں اسی ایک طرزِ عمل پر یکسوئی ملتی ہے۔ کوئی اختلاف ہوتا تو نہ صرف سامنے آجاتا بلکہ (نفوس میں) اتنے قوی محرکات پائے جانے کے باعث دوسری رائے کے پیروکار اُن تہواروں میں شرکت فرماتے بھی نظر آتے۔

دوم: صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق کہ اہل ذمہ اپنے تہوار کھلے عام نہ منائیں گے:

شرطِ عمریہ میں یہ بات باقاعدہ درج ہے، اور جو کہ اکیلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہیں بلکہ صحابہؓ نے اس پر اتفاق کیا اور اس کے بعد سب فقہاء کا اس پر اتفاق چلا آیا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ہمارے اہل ذمہ بنتے ہیں وہ دارالاسلام میں اپنے تہواروں کو کھلے عام نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ فقہاء کے ہاں ان تہواروں کے نام ذکر ہوئے مثلاً شعانین اور باعوث وغیرہ۔ اب اگر مسلمان اس پر متفق ہیں کہ کافر ان تہواروں کو اپنی چار دیواریوں کے اندر رکھیں گے اور مسلمانوں کے مابین لے کر نہ آئیں گے تو یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ مسلمان خود وہ افعال کرنے لگیں؟ کافر کی نسبت ایک مسلمان کا کھلم کھلا وہ افعال کرنے لگنا کیا اس سے کہیں زیادہ سنگین نہیں؟

سوم: صحابہؓ اور سلف کا ان تہواروں میں تفریح سے ممانعت کرنا:

۱- ابوالشیخ اصفہانی کی عطاء بن یسار (یا ابن دینار) سے روایت کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے ہدایت فرمائی تھی: ایاکم ورتانة الأعاجم وأن تدخلوا على المشركين يوم عيدهم في كنائسهم ”عجمیوں کے اسلوب اور لہجے مت سیکھو۔ مشرکین کے ہاں اُن کے گرجوں میں اُن کی عید کے روز مت جاؤ۔“

۲- امام بیہقی نے باب باندھا ہے: باب كراهة الدخول على أهل الذمة في كنائسهم والتشبه بهم يوم نيروزهم ومهر جانهم ”اس بات کی کراہت کا بیان کہ اہل ذمہ کے گرجوں میں داخل ہوا جائے اور ان کے نوروز یا مہر جان کے دن اُن کی مشابہت کا کوئی کام کیا جائے۔“ اس کے تحت بیہقی صحیح اسناد کے ساتھ روایت لاتے ہیں عن سفیان الثوری، عن ثور بن یزید، عن عطاء بن دینار: قال: قال عمر: لا تعلموا رطانة الأعاجم وأن تدخلوا على المشركين يوم عيدهم في كنائسهم، فإن السخطة تنزل عليهم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت: ”عجمیوں کے اسلوب اور لہجے مت سیکھو۔ مشرکین کے ہاں اُن کے گرجوں میں اُن کی عید کے روز مت جاؤ؛ کیونکہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے“

۳- بیہقی کی روایت: عن الثوری، عن عوف، عن الوليد عن عبد الله بن عمر، قال: من بنى بيلاذ الأعاجم فصنع نيروزهم ومهر جانهم وتشبه بهم حتى يموت وهو كذلك حشر معهم يوم القيامة حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ: ”جو شخص عجمیوں کے دیس میں تعمیرات کرے، ان کا نوروز اور مہر جان منانے لگے اور ان کی مشابہت اختیار کرے، یہاں تک کہ اس کو موت آ لے، روز قیامت اس کا حشر انہی کے ساتھ ہونے والا ہے“

۴- بیہقی ایک روایت امام بخاری سے کرتے ہیں کہ: مجھ کو خبر دی ابن ابی مریم نے، اُس کو نافع بن یزید نے، اُس نے سنا سلمان بن ابی زینب اور عمرو بن الحارث سے، اُس نے سعید بن سلمہ سے، اُس نے ابان سے: کہ اُس نے امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

کو فرماتے سنا: اجتنبوا أعداء الله في عيدهم ”اللہ کے دشمنوں سے دور رہو اُن کی عید کے روز“۔

۵۔ بیہقی ابواسامہ کی سند سے، عن حماد بن زید، عن هشام، عن محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں: کہ نوروز کے دن حضرت علیؓ کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کیا گیا تو آپؐ نے پوچھا: یہ کیا؟ عرض کی گئی: اے امیر المومنین یہ نوروز کا دن ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ فیروز روزانہ کیوں نہیں کر لیتے۔ ابواسامہ (راوی) کہتے ہیں: حضرت علیؓ نے ناگوار جانا کہ نوروز کا نام بھی سیدھا لیں (چنانچہ نوروز کو عدا فیروز کہا)۔

اس کے علاوہ کچھ روایات ابن تیمیہ صحابہ کے اقوال سے لے کر آتے ہیں، اس کے بعد فرماتے ہیں:

اب حضرت عمرؓ اہل ذمہ کے گرجوں میں اُن کے تہواروں کے موقع پر جانے سے ممانعت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اب اگر اُن کے تہوار خدا کے غضب کا محل ہیں لہذا آدمی کا اُس روز وہاں صرف پایا جانا اتنی بری چیز ہے تو اس تہوار کے کسی حصے میں ہی شریک ہو جانا کیوں خدا کے غضب کا موجب نہ ہوگا۔

اس کے بعد تابعین و تبع تابعین کے اقوال بھی لے کر آتے ہیں۔

اہل کفر کے سب تہوار ایک ہی جنس ہیں

کفار خواہ کتابی ہوں یا اُمی، دین اسلام میں ان سب کی عیدیں ایک ہی جنس ہیں؛ یعنی جس طرح ان سب کا کفر اپنے حرام اور ناپسندیدہ ہونے میں ایک ہی جنس ہے۔ بے شک کسی ایک ملت کا کفر دوسری کے کفر کے مقابلے میں شدید تر ہو مگر اپنے حکم کے اعتبار سے مسلمان کے لیے یکساں ہیں۔ تاہم یہ درست ہے کہ اہل کتاب کو اُن کے

دین پر چھوڑ دیا گیا، جبکہ اُن کے دین میں اُن کی عیدیں اور اُن کے تہوار بھی آتے ہیں۔ لیکن اُن کے ساتھ دوِ عمر میں (از روئے صغار: آیت ۲۹ سورۃ توبہ) شرط یہ رکھی گئی کہ وہ اپنے شعائر دین کو ظاہر باہر نہ کریں گے۔ جبکہ امیوں کو (جزیرہ عرب میں) سرے سے نہ رہنے دیا گیا۔

تاہم یہ بات بھی مد نظر رہے کہ امیوں کے جن تہواروں کو ختم کیا گیا وہ عموماً لوک میلوں کی صورت میں پائے جاتے تھے جبکہ اہل کتاب کے تہوار وہ ہیں جن کو وہ دین سمجھ کر مناتے ہیں۔ اس لحاظ سے کفار اہل کتاب کے تہوار اُمی کافروں کے لوک میلوں کی نسبت کہیں سنگین تر ہیں۔ ایک شخص خدا کی حرام کردہ اشیاء کے ذریعے اپنے نفس کی خواہشات پوری کرتا ہے تو وہ اتنا سنگین نہیں جتنا وہ شخص جو خدا کی حرام کردہ اشیاء کو خدا کے تقرب کا ذریعہ بنائے بیٹھا ہے۔ اول الذکرات امیوں کے میلوں پر زیادہ صادق آتی ہے تو ثانی الذکر اہل کتاب کے تہواروں پر۔ یہی وجہ ہے کہ شرک زنا سے بڑا گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل کتاب سے جہاد کرنا بت پرستوں کے خلاف جہاد کرنے کی نسبت زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ نیز جس مسلمان کو اہل کتاب شہید کریں اُس کو دہری شہادت کا اجر ملتا ہے۔

اب جب یہ واضح ہے کہ شارع نے بت پرستوں کے تہواروں کو سرے سے ختم کر کے رکھ دیا، باوجود اس کے کہ (حدیث کی رو سے) شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ وہ جزیرہ عرب میں بت پرستی کا دور دورہ کروادے..... تو پھر کتابی کفار کے شعائر سے چوکنار ہنا تو اور بھی ضروری ہے۔ پھر جبکہ رسول اللہ ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی ہے وہ یہ نہیں کہ مسلمان اُمی کفار کی پیروی کرنے لگیں گے بلکہ یہ پیشگوئی فرمائی کہ مسلمان کتابی کفار کے راستے چلنے لگیں گے۔

المختصر

- عیدیں، ایک امت کی شرع اور اس کے مناسک کا حصہ ہیں؛ بعینہ جس طرح اُس کی نماز اور روزہ اور قربانی۔ آپ نے اُس کی عید میں شرکت کر لی یا اُس نماز میں یا قربانی میں، ایک برابر ہے۔ اُس کی عید پر موافقت ظاہر کرنا اُس کے باقی شعائر پر موافقت ظاہر کرنے ہی کی مانند ہے۔ بلکہ عیدیں اُن نہایت خاص اشیاء میں آتی ہیں جن کے دَم سے ایک شریعت اپنے ماسوا شرائع سے ممیز ہوتی ہے۔ اس لیے؛ کسی کافر قوم کی عید پر موافقت ظاہر کرنا شرائع کفر کی اخص الخاص اشیاء پر موافقت کے مترادف ہے؛ اور کچھ خاص صورتوں میں یہ فعل کفر تک جاسکتا ہے۔

- اُن کے تہواروں کی ایک ایک چیز معصیت ہے۔ اُس کی جو بہترین سے بہترین صورت فرض کی جاسکتی ہے وہ یہ کہ: وہ اُن کے ہاں شروع زمانہ سے چلی آرہی ہو۔ یہ بھی شرع محمدی کے ہاتھوں اب منسوخ ہے؛ اور اُن کا اُس کو تقرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر جاری رکھنا خدا کی معصیت۔ پس اُن کی کسی عید یا کسی دینی شعار کی جو اچھی سے اچھی صورت ہو سکتی ہے۔ جبکہ اُس میں کوئی اچھائی نہیں۔ تو وہ یہ کہ ایک مسلمان بیت المقدس رُخ ہو کر خدا کی عبادت کر لے!

- عید اصل میں دین ہے۔ رہ گیا اُس کا عادات والا (کلچرل) پہلو، جیسے پکوان، پہناوے، تفریح اور تماشے تو وہ اپنے اصل کے تابع ہے۔ (عید حق ہے تو اُس کے رنگ میلے مستحسن ہیں، اور عید باطل ہے تو اُس کے رنگ میلے گناہ)

- کفار کی عیدوں کے حوالے سے مسلم معاشروں میں ایک بار دروازہ کھولنے کی ضرورت ہے؛ باقی کام خود بخود ہونے لگتا ہے۔ معاشرے کا ایک کم علم آدمی جب تک ایک راستے سے ہی واقف نہیں، بس وہ تب تک ہی اُس سے دور ہے۔ اس کے بعد تو

منکرات جس طرح بند توڑتے ہیں اور نصاریٰ کی سنتیں ہمارے جاہل طبقوں کے ہاں جس طرح مقبولیت پانے لگتی ہیں اُس کا اندازہ مشکل ہے۔

- جب ایک چیز معاشرے میں کچھ دیر چل لیتی ہے تو وہ خود روایت بن جاتی ہے؛ یہاں تک کہ لوگوں کے لیے یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ چیز ان کی اپنی شریعت میں کہیں نہیں آئی۔ اسی عمل نے، اور اہل علم کی اسی خاموشی نے، ہم سے پہلے پوری کی پوری امتوں کی لٹیڈ بوئی ہے۔

- عیدیں مخلوق کے دین اور دنیا ہر دو کے حق میں نہایت عظیم منفعت رکھتی ہیں۔ اس لیے ہر شریعت نے اپنے پیروکاروں کے لیے جہاں نماز اور زکوٰۃ اور حج وغیرہ ایسی اشیاء کو جاری کیا وہاں اپنے پیروکاروں کے لیے عیدیں بھی جاری کیں۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا لِّيَذْكُرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ۔

- قوموں کے مابین مشابہت اور مماثلت ایک طرح کی محبت اور مودت پیدا کراتی ہے۔ مسلمان کی کافر سے قربت اختیار کرنا اس کے اپنے دین کا نقصان ہے۔ (۴۷۱-۴۹۰)

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ فَاتَيْتُهُ فَإِذَا عِنْدَهُ امْرَأَةٌ وَصَبِيَّانِ، وَذَكَرَ قُرْبَهُمْ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: فَعَرَفْتُ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَلِكٍ كِسْرَى وَلَا قَيْصَرَ۔ فَقَالَ: ﴿يَا عَدِيُّ مَا أَفْرَكَ؟ أَلَمْ يُقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ؟ فَهَلْ مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ؟ مَا أَفْرَكَ أَلَمْ يُقَالَ اللَّهُ أَكْبَرُ؟ فَهَلْ شَيْءٌ أَكْبَرُ مِنَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ؟﴾ قَالَ: فَأَسْلَمْتُ، فَرَأَيْتُ وَجْهَهُ اسْتَبَشَرَ وَقَالَ: إِنَّ الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمْ: الْيَهُودُ وَإِنَّ الضَّالِّينَ: النَّصَارَى (ابن کثیر: رواہ أحمد والترمذی، وقد روی من طرق وله ألفاظ كثيرة بطول ذکرها)

روایت عدی بن حاتم سے:

کہا میں (بوقت قبول اسلام) آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ کے پاس ایک عورت اور کچھ بچوں کو موجود پایا جو آپ کے بہت قریب تھے، جس سے میں نے جانا یہ کوئی کسریٰ اور قیصر جیسا بادشاہ نہیں ہے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عدی کیا چیز تمہیں ہم سے فرار اختیار کروانے کا موجب بنی؟ کیا اس لیے کہ یہ کہنا پڑ جائے گا ”نہیں کوئی الہ سوائے اللہ کے؟ تو کیا اللہ کے سوا کوئی الہ ہے؟ اس لیے بھاگ لیے کہ کہنا پڑ جائے گا: اللہ سب سے بڑا ہے، تو کیا ہے کوئی شے جو اللہ سے بڑی ہو؟ عدی کہتے ہیں تب میں نے اسلام قبول کر لیا۔ تب میں نے آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھا کہ کھل اٹھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مغضوب علیہم بے شک یہود ہیں۔ اور ضالین یقیناً نصاریٰ ہیں

اہل کتاب کو اُن کے تہواروں پر مبارکباد دینا مذہب اربعہ کے نزدیک حرام ہے

شیخ عبداللہ الحسینی الاذہری

الحمد لله رب العالمين - والصلوة والسلام على أشرف الخلق أجمعين نبينا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد:

یہ مسئلہ جس پر پچھلے چند ہفتوں سے ہمارے بحرین کے اخبارات و جرائد نے ایک بحث چھیڑ رکھی ہے دراصل شرعی مسائل کے زمرے میں آتا ہے۔ فاضل مشائخ نے اس پر اپنی آراء ظاہر فرمائی ہیں مگر ہم چاہتے تھے کہ اہل کتاب کے تہواروں پر ان کو مبارک اور تہنیت پیش کرنے کے جواز پر یہ حضرات ہمیں شریعت سے دلائل دیتے اور ہمارے اسلامی فقہی ورثہ سے اس پر کچھ مستند شواہد پیش کرتے!

اس مسئلہ پر گفتگو کے لیے ہمیں کئی ایک امور پر روشنی ڈالنا ہوگی:

اولاً - تہنیت (مبارکباد) کا مفہوم:

اہل لغت کا اتفاق ہے کہ ”تہنیت“ ضد ہے ”تعزیت“ کی۔ علامہ نجیری فرماتے ہیں: التَّهْنِئَةُ ضِدُّ التَّعْزِيَةِ فَهِيَ الدُّعَاءُ بَعْدَ الشُّرُورِ، وَالتَّعْزِيَةُ حَمْلُ الْمَصَابِ عَلَى الصَّبْرِ بِوَعْدِ الْأَجْرِ وَالْدُّعَاءِ لَهُ ”تہنیت ضد ہے تعزیت کی، یعنی یہ خوشی کے موقع پر دی جانے والی ایک دعاء ہوتی ہے“^(۱)۔ جبکہ تعزیت کا مطلب ہے کسی آفت زدہ شخص کو صبر کی تلقین کرنا اُس کو اجر کی یاد دہانی کرانے اور اس کے لیے دعا کرنے کی صورت میں۔

(۱) آپ کا کسی کو یہ کہنا کہ ”مبارک ہو“ دراصل دعائیہ کلمات ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ”خدا کرے اس میں برکت آئے“۔ پس یہ (مبارکباد) درحقیقت برکت کی دعا ہوتی ہے۔

مالکی فقیہ ابن الحاج کہتے ہیں: معمول یہ ہے کہ تہنیت اور مبارکباد وغیرہ لوگوں کے ہاں اس وقت پائی جاتی ہے جب ان کے مابین ایک خاص درجہ کی مودت، میل جول اور بھائی چارہ پایا جائے، برخلاف سلام آداب کے جو کہ سب کے لیے مشروع ہے، یعنی یہ (سلام آداب) اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جسے ہم جانتے ہوں اور اس شخص کو بھی جسے ہم نہ جانتے ہوں۔

ثانیاً۔ کیا یہ مسئلہ آج پیدا ہوا ہے؟^(۲)

شاید ہمارا گمان ہو کہ یہ ایک 'عصری' مسئلہ ہے، یعنی یہ اُن مسائل میں سے ہے جو آج جا کر پیدا ہوئے ہیں لہذا یہ مسائل ہمیں اپنے پرانے اسلامی فقہی ورثے میں تو کہیں ملیں گے ہی نہیں!

لیکن اگر آپ اپنے فقہی مراجع کی تھوڑی سی ورق گردانی کریں تو آپ کا یہ گمان غلط نکلتا ہے۔ اس کے برعکس؛ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ متقدمین اہل علم نے اس مسئلہ پر پوری تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ ان سب فقہاء کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

بنابریں؛ یہ ہرگز ضروری نہیں رہ جاتا کہ اس مسئلہ پر امت کے لیے ہم آج یکلخت نئے فتاویٰ صادر کریں، جبکہ ہمارے علمائے متقدمین نے ایک اعلیٰ علمی پائے کا

(۲) یہاں جو ساری بحث ہے وہ کفار کے تہواروں پر مبارکباد دینے سے متعلق ہے۔ رہ گئی انفرادی امور میں مبارکباد، مثلاً کاروبار، ملازمت، بچے کی پیدائش وغیرہ ایسے مواقع پر تہنیتی کلمات کہنا، یا کسی غمی کے موقع پر تعزیتی کلمات کہنا تو یہ بلاشبہ فقہاء کے ہاں محل اختلاف ہے اور رائج رائے یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔ کچھ لوگ چالاکی سے فقہاء کی ایسی عبارتیں نکالتے ہیں جس میں مبارکباد دینے کے جواز کا ذکر آتا ہے (اور جو کہ فقہاء نے عام خوشی غمی کے حوالے سے بیان کیا ہوتا ہے) مگر یہ اس کو کفار کے تہواروں پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ کفار کے تہواروں پر تہنیت کی حرمت پر فقہاء نے صریح کلام کر رکھا ہے۔

حامل ہوتے ہوئے اور نہایت عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے اس موضوع پر جو مقررات ہمیں پہلے سے دے رکھے ہیں وہ ہمارے نزدیک کالعدم ٹھہریں۔

ثالثاً۔ اس مسئلہ میں اہل علم کا مذہب

اختصار کے ساتھ میں اس مسئلہ میں مذاہبِ اربعہ کے اہل علم کے اہم اہم اقوال آپ کے سامنے رکھوں گا:

۱۔ ساداتِ حنفیہ کا مذہب

قال أبو حفص الكبير رحمه الله: لو أن رجلاً عَبَدَ اللَّهَ تعالى خمسين سنة ثم جاء النيروز وأهدى إلى بعض المشركين بيضة يريد تعظيم ذلك اليوم فقد كفر وحبط عمله.

ابو حفص الکبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کسی آدمی نے پچاس سال تک اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت گزاری کی ہو، البتہ وہ نوروز کے تہوار پر کسی مشرک کو صرف ایک انڈہ پیش کر آئے، جس سے اس کا مقصد اس دن کی تعظیم کرنا ہو؛ تو ایسا آدمی کافر ہو جاتا ہے اور اس کا سارا عمل برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔

وقال صاحب الجامع الأصغر: إذا أهدى يوم النيروز إلى مسلم آخر ولم يرد به تعظيم اليوم ولكن على ما اعتاده بعض الناس لا يكفر ولكن ينبغي له أن لا يفعل ذلك في ذلك اليوم خاصة ويفعله قبله أو بعده لكي لا يكون تشبيهاً بأولئك القوم، وقد قال ﷺ: "من تشبه بقوم فهو منهم"

صاحب الجامع الاصحغر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نوروز کے دن اگر وہ کسی دوسرے مسلمان کو تحفہ تحائف دے، جبکہ اس سے اس کا مقصد اس دن کی تعظیم کرنا نہ ہو بلکہ رواج کے طور پر ہو تو اس سے وہ کافر تو نہیں ہوتا البتہ اس پر لازم یہی ہے کہ خاص اس روز وہ یہ کام نہ کرے؛ اس سے پہلے کر لے یا اس کے بعد کر لے تاکہ اُس قوم کی مشابہت میں نہ آئے۔ کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ”جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ اُنہی میں سے ہو جاتا ہے۔“

فرمایا الجامع الاصغر میں: ایک آدمی نوروز کے دن کوئی ایسی چیز خرید کر لاتا ہے جس کو کافر خریدنے جاتے ہیں، جبکہ اس سے پہلے وہ اس کو خریدنے والا نہ تھا، اس سے اگر اس کا مقصد اُس دن کی تعظیم کرنا ہو جس طرح کہ مشرکین اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ شخص کافر ہو گیا۔ البتہ اگر اس کا مقصد محض کھانا پینا اور نعمت کا حظ اٹھانا ہو تو وہ کافر نہیں ہوتا۔

وقال فی الجامع الأصغر: رجل اشتری یوم النیروز شیئاً یشتريه الکفرة منه وهو لم یکن یشتريه قبل ذلك إن أراد به تعظیم ذلك الیوم کما تعظمه المشرکون کفر، وإن أراد الأکل والشرب والتنعیم لا یکفر۔ أه

دیکھئے: البحر الرائق شرح کنز الدقائق للعلامة ابن نجیم ج ۸ ص ۵۵۵

۲۔ سادات مالکیہ کا مذہب :

(فصل) اہل کتاب کے بعض تہواروں کا بیان۔
یہ کچھ کلام ہوا اُن تہواروں پر جنہیں وہ شرع کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ وہ شرع سے نہیں۔
البتہ اُن تہواروں پر کلام کرنا ابھی باقی ہے جن کو (ہماری) اکثریت نے معمول بنالیا ہے یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ یہ خاص اہل کتاب کے تہوار ہیں۔ یوں ہمارے زمانے کا ایک طبقہ اُن کی مشابہت کرنے لگا ہے اور ان دنوں کی تعظیم میں اُن کے ساتھ شمولیت کرنے لگا ہے۔ کاش صرف اتنا ہوتا کہ عوام ہی اس میں گرفتار ہوتے۔ مگر تم دیکھتے ہو علم سے منسوب بعض لوگ بھی اپنے گھروں میں یہ کام کرنے لگے ہیں اور اُن کے مددگار ہونے اور ان (کے اس معمول کو) پسند کرنے لگے ہیں۔ یہ (ان مواقع پر) گھر میں سب

(فصل) فی ذکر بعض مواسم اهل الكتاب۔ فهذا بعض الکلام علی المواسم التي ینسونها إلی الشرع ولیست منه۔ وبقي الکلام علی المواسم التي اعتادها أكثرهم وهم یعلمون أنها مواسم مختصة بأهل الكتاب فتشبه بعض أهل الوقت بهم فیها وشارکوهم فی تعظیمها یا لیت ذلك لو کان فی العامة خصوصاً ولكنک تری بعض من ینتسب إلی العلم یفعل ذلك فی بیتہ ویعینهم علیه ویعجبه منهم ویدخل السرور علی من عنده فی

چھوٹوں بڑوں کو آسودگی اور راحت پہنچاتے ہیں یعنی اُس دن گھر میں کھانا پینا اور پہناوا اپنے تئیں اچھا کر لیتے ہیں۔ بلکہ بعض تو اس سے بھی بڑھ کر اہل کتاب کو تحفہ تحائف دینے لگے اور ان تہواروں پر ان کو ایسی اشیاء ارسال کرنا شروع کر دیں جن سے (شہ پاکر) وہ اپنے اس کفر میں اور بھی بڑھیں۔ چنانچہ بعض لوگ ان تہواروں پر اُن کو باقاعدہ دے بے بھیجتے ہیں، بعض تربوز کا ہدیہ کرتے ہیں اور بعض کھجوروں کا یا جو چیز اُس موسم میں پائی جاتی ہو۔ اکثریت تو اب یہ سبھی کام کر لینے لگی ہے۔ یہ سب کام شرع شریف کے خلاف ہیں اور قابلِ مذمت۔

اشہب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: امام مالک سے پوچھا گیا: کیا آپ اس میں کوئی حرج پاتے ہیں کہ آدمی اپنے عیسائی ہمسائے کو تحفہ دے جس سے مقصد یہ ہو کہ اُس کے کسی تحفہ کا حساب برابر کر دیا جائے جو وہ اس سے پہلے کبھی اس کو دے کر گیا ہو؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: میں اس کو پسند نہیں کرتا؛ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”اے ایمان والو! مت بناؤ دوست میرے دشمن کو اور خود اپنے دشمن کو، کہ پیش کش کرو تم ان کو مودت و قرب خواہی کی“

ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اوپر جو بات ہوئی کہ ”مقصد اُس کے کسی تحفہ کا حساب برابر کرنا ہو جو وہ اس سے پہلے کبھی اس کو دے کر گیا ہو“ (امام مالک کا اس کے جواب میں ”نہیں“ کہنا) اس لیے کہ اس کے لیے یہی جائز نہیں

البیت من کبیر وصغیر
بتوسعة النفقة والكسوة على
زعمه بل زاد بعضهم أنهم
يهادون بعض أهل الكتاب
فی مواسمهم ويرسلون إليهم
ما يحتاجونه لمواسمهم
فيستعينون بذلك على زيادة
كفرهم ويرسل بعضهم
الخرفان وبعضهم البطيخ
الأخضر وبعضهم البلح وغير
ذلك مما يكون في وقتهم
وقد يجمع ذلك أكثرهم،
وهذا كله مخالف للشرع
الشريف ومن العتبية۔

قال أشهب: قيل لمالك:
أترى بأساً أن يهدى الرجل
لجاره النصراني مكافأة له
على هدية أهداها إليه؟ قال
ما يعجبني ذلك قال الله
عز وجل: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي
وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم
بِالْمَوَدَّةِ“۔ (الممتحنة: ١١) قال
ابن رشد رحمه الله تعالى:
قوله مكافأة له على هدية
أهداها إليه إذ لا ينبغي له أن

کہ وہ اس سے تحفہ قبول کرے؛ کیونکہ تحفہ تحائف سے مقصد مودت کو بڑھانا ہوتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ”تحفے دیا لیا کرو؛ تمہاری باہمی محبت میں اضافہ ہونے لگے گا اور آپس کی کدورت جاتی رہے گی۔“ تاہم اگر وہ اُس سے تحفہ قبول کرنے کی غلطی کر چکا ہے اور وہ تحفہ اس کے ہاں باقی بھی نہیں رہا ہے تو پھر بہتر یہ ہے کہ وہ اسکا حساب برابر کر دے تاکہ اُسکا کوئی فضل اور احسان باقی نہ رہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا: کیا عیسائی کے ساتھ ایک برتن میں کھایا جاسکتا ہے؟ فرمایا: ایسا نہ کرنا میرے نزدیک بہتر ہے؛ عیسائی سے دوستی ہی مت رکھے۔

ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: عیسائی سے دوستی کی کراہت نہایت بین ہے اس لیے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”تم نہ پاؤ گے ایسے لوگوں کو جن کا ایمان ہو اللہ اور یوم آخرت پر اور وہ محبت رکھیں ان لوگوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف محاذ آرا ہوں“

پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی خاطر بغض کرے ایسے شخص سے جو اللہ کے ساتھ کفر کرنے والا ہو اور اُس کے ساتھ کوئی دوسرا الہ ٹھہراتا اور اُس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرتا ہو۔ جبکہ اُس کے ساتھ ایک برتن میں کھانا دونوں کے مابین الفت اور مودت کا متقاضی ہوگا؛ لہذا یہ اس پہلو سے ناپسندیدہ ہے، اگرچہ ہمیں معلوم بھی ہو کہ اس (کافر) کا ہاتھ ناپاک نہیں ہے۔

يقبل منه هدية؛ لأن المقصود من الهدايا التودد لقول النبي ﷺ: ”تهادوا تحابوا وتذهب الشحناء“، فإن أخطأ وقَبِلَ منه هديته وفاتت عنده فالأحسن أن يكافئه عليها حتى لا يكون له عليه فضل في معروف صنعته معهم۔

وسئل مالك رحمه الله عن مؤكلة النصراني في إناء واحد۔ قال: تركه أحب إلي ولا يصادق نصرانياً قال ابن رشد رحمه الله: الوجه في كراهة مصادقة النصراني بين؛ لأن الله عزوجل يقول: ”لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ (الممتحنة: ٢٢)

فواجب علي كل مسلم أن يبغض في الله من يكفر به ويجعل معه إلهاً غيره ويكذب رسوله ﷺ، ومؤاكلته في إناء واحد تقتضي الألفة بينهما والمودة فهي تكره من هذا الوجه وإن علمت طهارة يده۔

مختصر الواضح میں آتا ہے: ابن القاسم (تلمیذ امام مالک) سے پوچھا گیا: ایسے بحری جہازوں میں سوار ہونا کیسا ہے جن میں عیسائی اپنے تہواروں پر روانہ ہوتے ہوں؟ جواب میں، آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا؛ کہ کیا بعیدان پر قہر نازل ہو اس کفر کے باعث جس کے لیے وہ جمع ہوئے ہیں۔

نیز کہا کہ: ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان کے لیے ناپسند ٹھہرایا ہے کہ وہ ایک نصرانی کو اُس کی عید کے دن تحفہ دے اُس کے کسی تحفہ کا حساب برابر کرنے کے لیے۔ ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نصرانیوں کی عید کی تعظیم باور کیا اور اس کے کفر پر اُس کو اعانت دینے میں شام کیا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ مسلمانوں کے لیے تو یہ جائز نہیں کہ وہ نصرانی کو اُن کی عید کی مناسبت سے کوئی بھی چیز فروخت کریں، نہ گوشت، نہ سالن، نہ کپڑا۔ اور نہ سواری کا جانور اُن کو عاریہ کیا جائے گا۔ غرض اُن کے دین کے معاملہ میں اُن کی کوئی معاونت نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ اُن کے شرک کی تعظیم میں آجاتا ہے اور اُن کے کفر پر اُن کو مدد دینا شمار ہوتا ہے۔ مسلمان سلاطین پر فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس سے روکیں۔ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے اور دیگر فقہاء کا بھی۔ میرے علم میں کوئی ایک بھی فقیہ نہیں جس نے اس معاملہ میں اختلاف کیا ہو۔

اُن کے ساتھ مشابہت منع ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا، کیونکہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ ”جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے“ جس سے آپ ﷺ کا مقصود کہ مسلمانوں کو کفار کی موافقت سے دور رکھنا ہے ہر اُس چیز

ومن مختصر الواضحة: سئل ابن القاسم عن الركوب في السفن التي يركب فيها النصارى لأعيادهم۔ فكَرِهَ ذَلِكَ مخافة نزول السخط عليهم لكفرهم الذي اجتمعوا له۔

قال: وكره ابن القاسم للمسلم أن يهدي إلى النصراني في عيده مكافأة له۔ وآه من تعظيم عيده وعوناً له على مصلحة كفره۔ ألا ترى أنه لا يحل للمسلمين أن يبيعوا للنصارى شيئاً من مصلحة عيدهم لا لحماً ولا إداماً ولا ثوباً ولا يعارون دابةً ولا يعانون على شيء من دينهم لأن ذلك من التعظيم لشركهم وعونهم على كفرهم وينبغي للسلاطين أن ينهوا المسلمين عن ذلك، وهو قول مالك وغيره، لم أعلم أحداً اختلف في ذلك۔ انتهى

ويمنع التشبه بهم كما تقدم لما ورد في الحديث ”من تشبه بقوم فهو منهم“ ومعنى ذلك تنفير المسلمين عن موافقة الكفار في كل ما

میں جو کفار کا خاصہ ہے۔ خود آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ کفار کی موافقت سے جملہ امور میں کراہت فرماتے، یہاں تک کہ یہودیہ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کوئی ایک بھی معاملہ ہماری مخالفت کیے بغیر رہنے نہیں دینا چاہتے۔

پیچھے جو حال بیان ہوا، تو یہ (مسلمان) ہر دو برائی کو جمع کرتے ہیں: کفار کی مشابہت اور اُنکے کفر پر اُنکی اعانت؛ جس سے وہ اپنی سرکشی میں اور بھی بڑھتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان اُن کی موافقت یا اُن کی مدد کرنے میں لگے ہیں، یا یہ دونوں کام کرنے میں لگے ہیں، تو وہ اپنے باطن میں خوب اتراتے ہیں اور اپنے آپ کو حق پر جاننے لگتے ہیں۔ اب یہ چیز مسلمانوں اور کفار کے مابین بہت بڑھ گئی ہے۔ میرا مقصد ہے ان کے مابین تحفہ تحائف۔ یہاں تک نوبت آچکی کہ اہل کتاب کے بعض لوگ اپنے تہواروں پر تیار ہونے والی اشیاء میں سے کچھ سوغات مسلمانوں کے اہل اقتدار طبقوں کی نذر کرنے آتے ہیں جسے یہ قبول کر لیتے ہیں اور اس پر اُنکے شکر گزار ہوتے اور پھر اس کے جواب میں انکو تحائف دیتے ہیں۔ اکثر اہل کتاب کا یہ حال ہے کہ ایک مسلمان جب ان سے یہ سب کچھ قبول کرتا ہے تو وہ اپنے دین پر فخر کرتے اور خوشی سے بے حال ہونے لگتے ہیں۔ چونکہ وہ ظاہری صورت اور نقش و نگار پہ جانے والے لوگ ہیں، اس لیے وہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ مسلمانوں کے دنیوی ارباب اقتدار ہی مسلمانوں کا اہل علم و فضل طبقہ اور دین میں مسلمانوں کی سربراہ اور وہ لوگ ہیں۔ یہی زہر حکمرانوں سے گزر کر

اختصوا بہ۔ وقد کان علیہ الصلاة والسلام یکرہ موافقہ اهل الكتاب فی کل احوالهم حتی قال الیہود ان محمدا یرید ان لا یدع من امرنا شیئا الا خالفنا فیہ۔

وقد جمع هؤلاء بین التشبه بهم فیما ذکر والإعانة لهم علی کفرهم فیزدادون بہ طغیاناً إذ أنهم إذا رأوا المسلمین یوافقونهم أو یساعدونهم، أو هما معاً، کان ذلك سبباً لغبطتهم بدینهم ویظنون أنهم علی حق وکثر هذا بینهم۔ أعنی المهاداة حتی إن بعض أهل الكتاب لیهادون ببعض ما یفعلونه فی مواسمهم لبعض من له ریاسة من المسلمین فیقبلون ذلك منهم ویشکرونهم ویکافئونهم۔ وأكثر أهل الكتاب یغبطون بدینهم ویسرون عند قبول المسلم ذلك منهم، لأنهم أهل صور وزخارف فیظنون أن أرباب الریاسة فی الدنیا من المسلمین هم أهل العلم والفضل والمشار إلیهم فی

الدین وتعدی هذا السُّمُّ لعامة المسلمين فسری فیہم
عامۃ المسلمین میں سرایت کر گیا ہے، اور اب یہ بھی اہل
کتاب کے تہواروں کو کوئی چیز جاننے لگے ہیں اور اس پر
خرچہ پانی بھی کرنے لگے ہیں۔^(۳)
وتکلفوا فیہا النفقة) ۱-ھ

دیکھئے: المدخل لابن الحاج المالکی ج ۲ ص ۴۶ - ۴۸

(۳) فقہائے مالکیہ کا یہ بیان ایک طرح سے اسلامیانِ اندلس کا ”نوح“ بھی ہے! ابن رشد (الحجد) رحمۃ اللہ علیہ جن کا ابن الحاج اوپر کے اقتباس میں بار بار حوالہ دیتے ہیں اور خود ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ دونوں چھٹی صدی ہجری کے مالکی فقیہ ہیں اور سرزمینِ اندلس کے فرزند۔ اندلس جہاں اسلام اور صلیب کے معرکے پر ایک سے ایک بڑھ کر سنسی خیز موڑ آیا۔ اور بالآخر وہاں سے اسلام کا پودا ہی اکھاڑ پھینکا گیا۔ چنانچہ فقہائے مالکیہ یہاں مسلم عوام کا بھی رونا رو رہے ہیں، مسلم حکمرانوں کا بھی اور اپنی ”اسلامی قیادتوں“ کا بھی جن کو ___ بالآخر ___ اس نام نہاد ”رودادری“ نے بھولی بھری داستان بنا ڈالا۔

داستانِ اندلس کا یہ کم از کم حق ہے کہ ہمارا ہر دور اور ہر خطہ اس ”آئینے“ میں اپنی صورت دیکھتا رہے! عقیدہ ”ولاء وبراء“ مسلم تاریخ میں جہاں کہیں بھی نظر انداز ہوا مسلمانوں کو اپنی تاریخ کے بدترین دن دیکھنا پڑے۔ خود ہند میں ہماری عزت اور سیادت کے دن اسی ”رودادری“ کی نذر ہوئے؛ کفار کے ساتھ قربت باہمی اور وحدتِ ادیان، ایک جانب برصغیر کی صوفی شاعری (جو کہ ان آخری صدیوں میں عروج پر تھی) کا مرکز میں مضمون رہا، اور دوسری جانب اُدبائے زندہ کا ترجمہ جی موضوع۔ اور ہر دو کی اصل زدر شریعت پر! مغل سلاطین، الحاد کی اس ہر دو جہت کی سرپرستی فرماتے رہے۔ اس کی طرح اکبر اپنے ہاتھ سے ڈال کر گیا جو کہ چند وقفوں کو چھوڑ کر نہ صرف جاری رہی بلکہ عروج بھی پاتی رہی۔ اور نگزب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ہمارے عقیدہ ”ولاء وبراء“ اور ”اقامت شریعت“ کا وہ آخری منارہ ہے جسے ہند کے شرق و غرب کو روشن کرنا نصیب ہوا؛ اور اس کے بعد گپ اندھیرا ہوتا چلا گیا۔ تا آنکہ جب مسلم اقتدار کا چراغ ہی گل کر دیا گیا..... تو یہاں مسلمانوں میں دورِ حمانِ تقویت پانے لگے: ایک وہ جوانگریز کے ہاں عزت تلاش کر رہا تھا (اَيْتَعَوْنَ عِنْدَهُمُ الْغَزَاةَ؟) اور انہی کے اصولوں میں ہدایت۔ دوسرا ہندو کے ہاں عزت و شان کا متلاشی ہوا۔ البتہ اب جا کر ان پر کھلا کہ یہ عزت و شان انگریز اور ہندو ہر دو کے ہاں تلاش کرنے میں کیا عیب ہے! بلکہ اپنے دین کو چھوڑ کر کہیں بھی ڈھونڈنے میں کیا حرج ہے!

سبحان اللہ۔ چند ہزار نفوس پر مشتمل ایک قوم جو اپنی موحدانہ شان کے بل پر اور اپنے عقیدہ ”ولاء وبراء“ کے دم سے پورے ہند کو اپنی مٹھی میں رکھتی ہے۔ اپنی اس دولت سے محروم ہوتی ہے تو کروڑوں میں ہو کر ہندو سے جوتے کھاتی اور ”محفوظ خطوں“ میں پناہ ڈھونڈتی ہے؛ اور ذلت ہے کہ مسلسل اس کا پیچھا کرتی ہے!

۳- سادات شافعیہ کا مذہب :

امام دمیری رحمۃ اللہ علیہ فقہ شافعی کی مشہور کتاب ”المنہاج“ کی شرح کرتے ہوئے، فصل ”تعزیر“ کے اختتام پر ایک تتمہ باندھتے ہیں:

(تتمة: يُعزَّرُ من وافق الكفار
فی أعيادهم، ومن يمسك
الحية، ومن يدخل النار،
ومن قال لدمي: يا حاج،
ومن هنأه بعيد، ومن سمى
زائر قبور الصالحين حاجاً،
والساعي بالنميمة لكثرة
إفسادها بين الناس، قال
يحيى بن أبي كثير: يفسد
النمائم في ساعة ما لا يفسد
الساحر في سنة) أھ

تتمہ: ایسے شخص کو تعزیر (ڈرے وغیرہ) لگائے جائیں گے جو کفار کے ساتھ اُن کی عیدوں میں موافقت کرے، یا جو (تماشے کے طور پر) سانپ پکڑ کر دکھائے، یا جو آگ میں داخل ہو کر دکھائے، یا جو ذمی کو حاجی صاحب کہہ کر مخاطب کرے، یا جو ذمی کو اُس کی عید پر مبارکباد دے، یا جو صالحین کی قبروں کی زیارت کرنے والے کو حاجی کا لقب دے، یا جو لوگوں میں لگائی بھجائی کرتا پھرے (یعنی نمام)۔ یحییٰ بن ابی کثیر فرماتے ہیں: نمام ایک ساعت میں وہ فساد برپا کر لیتا ہے جو ساحر پورے سال میں نہ کر سکے۔

دیکھئے: النجم الوہاج فی شرح المنہاج للعلامة الدمیری ج ۹ ص ۲۴۴۔

واضح رہے، کتاب المنہاج ہی کی ایک دوسری شرح مغنی المحتاج إلی معرفة معانی ألفاظ المنہاج میں (ج ۴ ص ۱۹۱ پر) علامہ الخطیب الشربینی بھی یہی بات کہتے ہیں)

شافعی فقیہ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ ”باب الردّة“ میں لکھتے ہیں:

ثم رأيت بعض أئمتنا المتأخرين ذكر ما يوافق ما ذكرته فقال: ومن أقبح البدع موافقة المسلمين النصاري في أعيادهم بالتشبه بأكلهم

پھر میں نے دیکھا ہمارے بعض متاخرین ائمہ نے بھی وہ چیز ذکر کی جو میری ذکر کردہ بات کے موافق ہے۔ چنانچہ ان ائمہ نے ذکر کیا ہے: فتنج ترین بدعات میں یہ چیزیں آتی ہیں: مسلمانوں کا نصاریٰ کی عیدوں میں اُن کی موافقت کرنا جس کی صورت یہ ہے کہ کھانوں میں اُن کی

مشابہت ہو، ان کو تحفے دیے جائیں اور ان کے تحفے قبول کئے جائیں۔ اس کا سب سے زیادہ اہتمام مصریوں کے ہاں ہونے لگا ہے، جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہوا“۔ ابن الحاج نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ ایک نصرانی کو اُس کی عید کی ضروریات تک بیچے، نہ گوشت، نہ سالن اور نہ کپڑا۔ نہ ان کو کوئی چیز عاریہ کی جائے گی خواہ وہ سواری کا جانور ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ یہ اُن کو اُن کے کفر پر معاونت کرنا ہے۔ مسلم حکمرانوں پر واجب ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس چیز سے منع کریں۔ اسی میں مسلمانوں کا نوروز کو ہر سہ ایسے پکوان کا اہتمام کرنا آتا ہے۔ نیز ان کے تہوار ”خمیس العیدین“ پر سات سات اگر بتیاں لگانا، یہ تصور کرتے ہوئے کہ یہ فعل ان سے سستی اور بیماری کو دفع کرنے کا باعث ہے۔ اسی طرح اُس روز انڈے کو زرد یا سرخ رنگ میں رنگ کر فروخت کرنا۔ اور ان کے سبت پر پنسا لگانا، جس کو وہ ہفتہ روشنی بولتے ہیں اور جو کہ درحقیقت ہفتہ ظلمت ہوتا ہے۔ نیز وہ اس تہوار پر اجوائن کے پتے خرید کر لاتے ہیں کہ یہ باعث برکت ہے۔ علاوہ ازیں درختوں کے پتے جمع کر کے رکھتے ہیں پھر سبت کی شب وہ اس کو پانی میں ڈال کر اس سے غسل کرتے ہیں کہ یہ جادو کا اثر زائل کرتا ہے۔ اس روز سرمہ ڈالتے ہیں کہ اس سے آنکھوں کی روشنی بڑھتی ہے، اور گندھک اور تیل کی مالش کرتے ہیں اور غسل آفتاب لیتے

والهدية لهم وقبول هديتهم فيه وأكثر الناس اعتناء بذلك المصريون وقد قال ﷺ: ”من تشبه بقوم فهو منهم“۔ بل قال ابن الحاج لا يحل لمسلم أن يبيع نصرانياً شيئاً من مصلحة عيده لا لحماً ولا أدماً ولا ثوباً ولا يعارون شيئاً ولو دابة إذ هو معاونه لهم على كفرهم وعلى ولاية الأمر منع المسلمين من ذلك۔ ومنها اهتمامهم في النوروز بأكل الهريسة واستعمال البخور في خميس العیدین سبع مرات زاعمين أنه يدفع الكسل والمرض وصيغ البيض أصفر وأحمر وبيعه والأدوية في السبت الذي يسمونه سبت النور وهو في الحقيقة سبت الظلام۔ ويشترون فيه الشبث ويقولون إنه للبركة ويجمعون ورق الشجر ويلقونها ليلة السبت بماء يغسلون به فيه لزوال السحر ويكتحلون فيه لزيادة نور أعينهم ويدهنون فيه بالكبريت والزيت ويجلسون عرايا في الشمس

ہیں کہ اس سے جلد کی بیماری اور خارش چلی جاتی ہے۔ اس روز کڑھی پکاتے ہیں اور اس کو غسل خانے میں لے جا کر کھاتے ہیں۔ غرض اسی طرح کی دیگر بدعات جو ان لوگوں نے گھڑ لی ہیں۔ واجب یہ ہے کہ کفار کو بھی اس بات سے روکا جائے کہ ہمارے ہاں وہ اپنے یہ تہوار سرعام منائیں۔

لِدْفَعِ الْجَرْبِ وَالْحَكَّةَ
وَيُطْبَخُونَ طَعَامَ اللَّبَنِ
وَيَأْكُلُونَهُ فِي الْحَمَامِ إِلَى غَيْرِ
ذَلِكَ مِنَ الْبَدْعِ التَّسِي
اخْتَرَعُوهَا وَيَجِبُ مِنْهُمْ
التَّظَاهَرُ بِأَعْيَادِهِمْ۔ اھ

دیکھئے: الفتاوى الفقہیة الکبریٰ للعلامة ابن حجر الهيتمي ج ٤ ص ٢٣٨ - ٢٣٩

۴۔ ساداتِ حنابلہ کا مذہب :

اور اس بات کی کراہت ہے کہ کوئی بھی ایسا کام اختیار کیا جائے جو مسلمان اور کافر کے مابین مودت کا موجب ہو۔ اس آیت کے عموم کی رو سے: ”اے ایمان والو! امت بناؤ دوست میرے دشمن کو اور خود اپنے دشمن کو، کہ پیش کش کرو تم ان کو مودت و قرب خواہی کی“۔ کافر اگر مسلمان کو چھینک لینے پر رچمک اللہ کہے تو اس کا جو ادینا جائز ہے، کیونکہ اس کے لیے ہدایت مانگنا جائز ہے جیسا کہ پیچھے حدیث میں گزر چکا۔

(و) یکرہ (التعرض لما
یوجب المودة بینہما) لعموم
قوله تعالى ”لَا تَجِدُ قَوْمًا
يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ“ (الممتحنة: ٢٢)
(وإن شمتہ کافرٌ أجاہہ)؛ لأن
طلب الهدایة جائزٌ للخبر
السابق۔

اور حرام ہے ان کو مبارکباد دینا اور ان سے تعزیت کرنا اور ان کی عیادت کرنا؛ کیونکہ یہ ان کی ایسی تعظیم بنتی ہے جو سلام سے متشابہ ہے۔

(ویحرم تهنئتهم وتعزيتهم
وعیادتہم)؛ لأنه تعظیمٌ لهم
أشبه السلام۔

امام احمد سے ایک روایت ہے کہ ذمی کی عیادت کر لینا جائز ہے اگر اسلام لے آنے کی امید ہو تو وہ اسلام کو اس پر پیش کرے جس کو شیخ اور دیگر اصحاب مذہب نے اختیار کیا

(وعنه تجوز العیادة) أی:
عیادة الذمی (إن رجی
إسلامه فیعرضه علیه
واختاره الشيخ وغيره) لما

ہے؛ کیونکہ انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی کی عیادت فرمائی اور اس پر اسلام کو پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گیا تو آپ ﷺ یہ فرماتے ہوئے وہاں سے نکلے کہ ”حمد اللہ کی جس نے اُس کو میرے ذریعے آگ سے بچا لیا“ (بروایت بخاری) نیز اس لیے بھی کہ یہ مکارم اخلاق میں آتا ہے۔

فرمایا: یہود، نصاریٰ اور دیگر کفار کی عید کے مقام پر حاضر ہونا حرام ہے۔ اور اس موقع پر اُن کو چیزیں پہنچنا۔ کتابِ اُمتہیٰ میں ہے: ان کی عید پر پر نہ ان کو ہم بیع کریں کریں گے اور نہ ان کے ساتھ تحفہ تحائف کریں گے، کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے تو یہ اُن کو سلام میں پہل کرنے سے مشابہ ہے۔

اور حرام ہے ان کو فروخت کرنا یا کرائے پر دینا جس قطعہ زمین کو یہ گرجا یا بت خانہ بنائیں گے۔ یعنی جس میں یہ کوئی بت یا صلیب وغیرہ نصب کریں گے۔ یہ اس لیے بھی حرام ہے کہ یہ اعانت ہے ان کی کفر کرنے میں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اور مت تعاون کرو گناہ میں اور زیادتی کے کام میں“۔ نیز حرام ہے ہر وہ چیز جو اُن (کفار) کے ساتھ خاص ہے، مثلاً ان کی عید۔ نیز وہ چیز جس کے ذریعے سے وہ تمیز ہوتے ہیں جس میں ان کی مشابہت اختیار کرنا آتا ہے؛ جبکہ ان کے ساتھ مشابہت کے منع ہونے پر اجماع پایا جاتا ہے، بنا بر حدیث۔ اور واجب ہے کہ ایسا کام کرنے والے شخص کو سزا دی جائے۔

روی انسؓ ”أن النبي ﷺ عاد يهودياً، و عرض عليه الإسلام فأسلم فخرج وهو يقول: الحمد لله الذي أنقذه بي من النار“ رواه البخاری ولأنه من مكارم الأخلاق۔

(وقال) الشيخ (ويحرم شهود عيد اليهود والنصارى) وغيرهم من الكفار (وبيعه لهم فيه)۔ وفي المنتهى: لا بيعنا لهم فيه (ومهاداتهم لعيدهم) لما في ذلك من تعظيمهم في شبه بداءتهم بالسلام۔

(ويحرم بيعهم) وإجارتهم (ما يعملونه كنيسة أو تمثلاً) أى: صنماً (ونحوه) كالذى يعملونه صليباً؛ لأنه إغانة لهم على كفرهم۔ وقال تعالى: ”وَلَا تَعَاوُنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ“ (و) يحرم (كل ما فيه تخصيص كعيدهم وتمييز لهم وهو من التشبه بهم، والتشبه بهم منهى عنه إجماعاً) للخبر (وتجب عقوبة فاعله) أ هـ

دیکھئے: كشف القناع عن متن الإقناع للعلامة البهوتى ج ۳ ص ۱۳۱

فضیلت مآب علی محفوظ الازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک مصیبت جس میں مسلمان گرفتار ہو چکے ہیں اور وہ عوام و خواص میں سرایت کر گئی ہے، یہ ہے کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے بہت سے تہواروں میں آنا جانا شروع ہو گیا ہے۔ اسی طرح ان کی بہت سی روایات کو مستحسن جانا جا رہا ہے۔ جبکہ ہمارے نبی ﷺ ہر معاملے میں اہل کتاب کی موافقت سے دور رہتے، یہاں تک کہ یہودی یہ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) کوئی معاملہ ہماری مخالفت کیے بغیر رہنے نہیں دینا چاہتے۔ ادھر اپنا حال دیکھ لیجئے یہاں کفار کے تہواروں اور ان کے خاص مواقع پر کیا کچھ ہوتا ہے۔ اُن کے تہواروں پر مسلمان اپنے صنعت و حرفت کے معمولات موقوف کر لیتے ہیں، تعلیمی سرگرمیاں معطل کر لیتے ہیں، اور ان تہواروں کو ایسے ایام کے طور پر لیا جاتا ہے کہ ان میں خوب شغل میلہ اور راحت و آسودگی ہو اور ان کو اچھے اچھے رنگ برنگے پہناووں کا موقع بنا دیا جائے۔ مسلمانوں کے گھروں میں یہود و نصاریٰ ہی کی طرح انڈے رنگے جا رہے ہوتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات درحقیقت نبی ﷺ کی اس حدیث کا مصداق بن رہے ہیں:

”لَتَّبِعَنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شَبْرًا بِشَبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتَّىٰ لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَتَّبِعْتُمُوهُمْ“ قلنا: یا رسول اللہ، الیہود والنصارى؟ قال: ”فَمَنْ غَيْرُهُمْ“ (رواہ البخاری عن أبی سعید الخدری)

”تم ضرور اپنے سے پہلوؤں کے طور طریقے اپناؤ گے، کوئی ایک بالشت یا ایک ہاتھ برابر فرق نہ رہنے دو گے، یہاں تک کہ اگر وہ ساٹھ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم اس میں بھی ان کے پیچھے تک جاؤ گے“ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کی مراد ہے یہود و نصاریٰ؟ آپ نے فرمایا: تو اور کون؟

ہر وہ شخص جس کو اپنے دین اور اپنی آبرو کی سلامتی مطلوب ہے اس کو چاہیے کہ جس وقت گلی محلوں میں ایسے تہوار کی نحوست زوروں پر ہو، اپنے گھر کی چار دیواری میں رہے اور اپنے بال بچوں اور ہر ایسے شخص کو جو اس کے زیر اختیار ہے باہر جانے سے روکے تاکہ وہ نہ تو یہود و نصاریٰ کے تہواروں میں شرکت کا گناہ لے اور نہ اُن کے ساتھ شریک فاسقوں کی رونق میں اضافہ کا باعث ہو؛ بلکہ وہ اس سے اجتناب کر کے اللہ کے فضل و احسان کا حقدار بنے۔

(اختصار از کتاب الإبداع فی مضار الابتداع ص ۲۷-۲۸)

اس مسئلہ کی یہ علمی حیثیت جب ہم دیکھ چکے تو پھر کچھ عجب نہیں کہ محقق بے مثال ابن قیم الجوزیہؒ اپنی کتاب اَحْکَامُ أَهْلِ الذِّمَّةِ میں اہل کتاب کی عیدوں پر اُن کو مبارکباد دینے کی حرمت پر فقہاء کا اتفاق نقل کریں اور پھر ان شدید الفاظ میں اس فعل کی شناعت بیان کریں:

وَأَمَّا التَّهْنِئَةُ بِشُعَائِرِ الْكُفْرِ
الْمَخْتَصَّةُ بِهِ فَحَرَامٌ بِالْإِتِّفَاقِ،
مِثْلُ أَنْ يَهْنِئَهُمْ بِأَعْيَادِهِمْ
وَصَوْمِهِمْ فَيَقُولُ: عِيدٌ مَبَارَكٌ
عَلَيْكَ أَوْ تَهْنَأُ بِهَذَا الْعِيدِ
وَنَحْوِهِ، فَهَذَا إِنْ سَلِمَ قَائِلُهُ مِنْ
الْكُفْرِ فَهُوَ مِنَ الْمَحْرَمَاتِ وَهُوَ
بِمَنْزِلَةِ أَنْ يَهْنِئَهُ بِسُجُودِهِ
لِلصَّلَاةِ بَلْ ذَلِكَ أَعْظَمُ إِثْمًا
عِنْدَ اللَّهِ وَأَشَدُّ مَقْتًا مِنَ التَّهْنِئَةِ
بِشَرْبِ الْخَمْرِ وَقَتْلِ النَّفْسِ
وَارْتِكَابِ الْفَرْجِ الْحَرَامِ وَنَحْوِهِ

ایسے شعائر پر جو کفر کے ساتھ خاص ہوں مبارکباد پیش کرنا بالاتفاق حرام ہے مثلاً کفار کو اُن کی عیدوں یا اُن کے روزوں پر تہنیت پیش کرنا۔ مثال کے طور پر ان کو کہنا کہ تمہیں یہ تہوار مبارک ہو وغیرہ۔ ایسا شخص اگر کفر کے ارتکاب سے بچ بھی گیا ہو تو محرمات کا مرتکب تو بہر حال ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ یہ اُسے صلیب کو سجدہ کر آنے پر مبارکباد دے! یہ چیز اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے کہ آدمی کسی شخص کو شراب پینے پر یا ناحق قتل پر یا حرام شرمگاہ کے ساتھ بدکاری کرنے پر مبارکباد پیش کرے۔ یا اسی طرح کے کسی کام پر تہنیتی الفاظ

و کثیر ممن لا قدر للدين عنده يقع في ذلك ولا يدري قُبْحُ ما فعل، فمن هنا عبداً بمعصية أو بدعة أو كفر فقد تعرض لمقت الله وسخطه۔

بولے۔ بہت سے لوگ جو دین کی شان سے ناشناس ہیں اس حرکت کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ جانتے تک نہیں کہ وہ کیسا گھناؤنا فعل کر بیٹھے ہیں۔ لہذا وہ شخص جو کسی کو مبارکباد دے خدا کی نافرمانی پر، یا بدعت پر، یا کفر پر، تو دراصل وہ خدا کے غضب اور قہر کو دعوت دے رہا ہوتا ہے۔

وقد كان أهل الورع من أهل العلم يتجنبون تهنئة الظلمة بالولایات و تهنئة الجهال بمنصب القضاء والتدريس والإفتاء تجنباً لمقت الله وسقوطهم من عينه وإن بلى الرجل بذلك فتعاطاه دفعاً لشر يتوقعه منهم فمشى إليهم ولم يقل إلا خير ودعا لهم بالتوفيق والتسديد فلا بأس بذلك وبالله التوفيق۔ اھ

ادھر خدا خوفی رکھنے والے اہل علم کا یہ حال رہا ہے کہ کسی ظالم شخص کو کوئی اعلیٰ عہدہ ملتا یا کسی جاہل شخص کو قضاء یا تدریس یا افتاء ایسا کوئی منصب تفویض ہوتا تو یہ اُس کو مبارکباد دینے سے بچتے اللہ کے غضب سے بچنے کے لیے اور اس لیے کہ وہ اللہ کی نگاہ سے گرے ہوئے لوگ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی صورت میں پھنس ہی جائے اور اس کو اپنے سر سے مصیبت ٹالنے کے لیے دو لفظ بولنا ہی پڑیں تو بھی اُس (عہدہ دار) کے پاس جا کر خیر ہی کی کوئی بات کہے اور اس کے لیے توفیق اور سیدھا رہنے کی دعا کر دے۔

اور توفیق دینے والا اللہ ہے

دیکھئے: احکام اہل الذمہ مؤلفہ امام ابن القیم۔ ج ۱ ص ۴۴۱-۴۴۲

اسی کے ساتھ یہ بات شامل کر لی جائے جو پیچھے امام ابن القاسم (امام مالک کے شاگرد) کے کلام میں گزری ہے کہ وہ کوئی ایسا فقیہ نہیں جانتے جس نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہو۔ خود میں نے اپنی اس تحقیق کے دوران فقہی مراجع کے اندر کسی ایسے فقیہ یا عالم کی بات نہیں دیکھی جو اس مسئلہ میں تساہل کا قائل ہو۔ ہاں معاملہ اس کے برعکس ضرور پایا ہے؛ جیسا کہ ان میں سے بہت سے فقہاء اس مسئلہ کو تعزیر اور ارتداد ایسے ابواب میں زیر بحث لے کر آئے ہیں!

فقہاء کے کلام کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ: کفار کے تہواروں پر انکو تہنیت پیش کرنے میں:

- اگر اس تہوار کی تعظیم بھی شامل ہو تو خدشہ ہے کہ ایسا شخص کفر کا ارتکاب کر بیٹھا ہے، العیاذ باللہ۔

- ہاں اگر اس میں تعظیم شامل نہ ہو، تو یہ (کفر نہیں بنتا البتہ) محرمات میں آتا ہے جس پر اس پر تعزیر لگانا بنتا ہے؛ کیونکہ ایسے شخص نے اہل کتاب کی عیدوں میں شمولیت کر لی ہے، نیز اس لیے بھی کہ یہ اہل کتاب کے شعائر کی تعظیم کا ایک ذریعہ بنتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ ان کے دین کو ایک طرح کی سند دینے کا معنی رکھتا ہے۔

رابعاً: اُن کو مبارکباد کس بات پر، اور پھر اُن کو دعوت کس چیز کی!

ذرا یہ بھی سوچنا چاہیے کہ ہم اُن کو مبارکباد کس چیز پر دیتے ہیں؟ اور کیا ہمیں اُس چیز کی حقیقت کا علم بھی ہے جس پر ہم انہیں مبارکباد دینے چل پڑتے ہیں؟ واضح سی بات ہے وہ اپنے اس تہوار پر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام وہ ہستی ہیں جن کو وہ رب مانتے ہیں! اور رب کا بیٹا! اور ثالثِ ثلاثہ! قارئینِ کرام یہ تو آپ کے بنیادی عقیدہ ہی کے ساتھ سیدھا سیدھا تصادم نہیں ہے؟ آپ کا وہ بنیادی ترین عقیدہ جس کو منوانے کے لیے اللہ نے سب کے سب انبیاء اور سب کے سب رسول بھیجے ہیں بشمول عیسیٰ علیہ السلام کے!

کیا اس پر ہم ان کو مبارکباد کے کارڈ بھیجیں گے..... یا جہنم کی وعید سنائیں گے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا تَكَاذُ السَّمَاوَاتِ
يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَنْ دَعَا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا
وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا

آتَى الرَّحْمَنُ عَبْدًا لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا (مریم: ۸۸-۹۵)

اور وہ بولے: خدا بیٹا رکھتا ہے۔ یقیناً تم نے ایک نہایت گھناؤنی بات بول ڈالی۔ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اس لیے کہ انہوں نے رحمن کے لیے بیٹا تجویز کر ڈالا۔ اور رحمن کے لائق نہیں کہ اولاد رکھے۔ ہر ذی نفس جو آسمانوں میں ہے یا زمین میں، اُس کے حضور بندہ ہو کر حاضر ہونے والا ہے۔ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر لیا ہے اور ان کے ایک ایک کی گنتی کر لی ہے۔ اور روز قیامت یہ سب اُس کے حضور اکیلے اکیلے حاضر ہونے والے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال:

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: كَذَّبَنِي ابْنُ آدَمَ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكْ، وَشَتَمَنِي وَلَمْ يَكُنْ لَهُ ذَلِكْ، فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَرَعُمُهُ أَنِّي لَا أَقْدِرُ أَنْ أُعِيدَهُ كَمَا كَانَ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ لِيْ وَلَدٌ، فَسُبْحَانِي أَنْ أُتَّخَذَ صَاحِبَةً أَوْ وَلَدًا (رواه البخاری)

روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم نے میری تکذیب کی اور یہ اس کو سزاوار نہ تھا۔ ابن آدم نے مجھے دشنام بھی اور یہ اس کو سزاوار نہ تھا۔ جہاں تک اس کا میری تکذیب کرنا ہے تو وہ اس کا یہ اعتقاد کہ میں اس کو پہلی حالت میں از سر نو تخلیق کرنے پر قادر نہیں ہوں۔ رہ گیا اس کا مجھ کو دشنام کہنا تو وہ اس کا یہ کہنا کہ میری اولاد ہے، حالانکہ میں پاک ہوں اس سے کہ کوئی جو رو یا اولاد رکھوں“

نوٹ: مضمون میں دیے گئے حواشی ہمارے دیے ہوئے ہیں۔ مضمون کا انٹرنٹ لنک:

<http://www.saaaid.net/mkatarat/aayadalkoffar/45.htm>

کرمس کے موضوع پر عرب کبار علماء کے فتاویٰ (مختصر)

شیخ عبدالعزیز بن باز:

کسی مسلمان مرد یا عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ نصاریٰ یا یہودیادگر کفار کے ساتھ ان کے تہواروں میں شرکت کریں.....

نہ ان کے تہواروں میں شرکت جائز ہے اور نہ ان کے منانے والوں کے ساتھ اس معاملہ میں کوئی تعاون۔ کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز میں حصہ لینا جائز نہیں، نہ چائے نہ کافی اور کسی برتن کی حد تک تعاون۔

<http://www.saaaid.net/mktarat/aayadalkoffar/30.htm>

شیخ محمد بن شمیم:

کفار کو ان کی عید کرمس یا ان کے دیگر شعائرِ دینی پر مبارکباد دینا بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ ابن قیم نے اپنی کتاب احکام اہل الذمہ میں اس پر اتفاق نقل کیا ہے..... اگر وہ ہمیں اپنے تہواروں پر مبارکباد دیں تو بھی ہم ان کو جواباً مبارکباد نہیں دیں گے کیونکہ یہ ہماری عیدیں نہیں ہیں اور کیونکہ یہ ایسی عیدیں ہیں جن پر اللہ راضی نہیں ہے، اور خود ان کے دین میں یہ من گھڑت عیدیں ہیں.....

مسلمانوں پر حرام ہے کہ وہ ان مواقع پر کفار کی مشابہت میں تقریبات کریں، یا تحفہ تحائف دیں، یا مٹھائی یا کھانے کھلائیں، یا تعطیل عام کریں۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: جو کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے.....

جو شخص ان میں سے کسی بھی فعل کا ارتکاب کرے تو وہ گناہگار ہے، خواہ یہ کام اس نے لحاظ ملاحظہ میں کیا ہو، یا پذیرائی پانے کے لیے، یا کسی کی شرم میں ایسا کر لیا ہو یا کوئی بھی سبب ہو، کیونکہ یہ اللہ کے دین میں مدہانت ہے اور کفار کے نفوس کو تقویت دینے اور ان کو اپنے دین پر فخر کا ایک موقع فراہم کا سبب۔

<http://www.saaaid.net/mktarat/aayadalkoffar/18.htm>

شیخ عبداللہ بن جبرینؒ:

کرسمس یا نوروز یا مہرجان وغیرہ ایسے ان خانہ ساز تہواروں کو منانا جائز نہیں..... عیسائی مشرکوں نے اپنے اس تہوار پر جو کھانا تیار کیا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ وہ اپنی اس تقریب میں بلائیں تو اس پر جانا حرام ہے۔ کیونکہ ان کی یہ دعوت قبول کرنا ان کی حوصلہ افزائی میں آتا ہے اور یہ ان کی ان مذہبی خانہ سازیوں کو ایک طرح کا سرٹیفکیٹ دینا ہے۔ جس سے جاہل فریب کھاتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھنے لگتے ہیں کہ وہ لوگ کوئی ایسا غلط کام نہیں کر رہے۔

<http://www.saaaid.net/mktarat/aayadalkoffar/21.htm>

مفتی محمد ابراہیمؒ:

(سعودی وزیر تجارت کو لکھے گئے ایک مراسلے میں۔ جو کہ ان کے فتاویٰ ج ۳ ص ۱۰۵ پر درج ہے) ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ سال کچھ تاجروں نے ایسے تحائف درآمد کیے ہیں جو نصرانیوں کی عید کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں؛ جن میں کرسمس ٹری بھی شامل تھے۔ اور یہ کہ ہمارے بعض باشندے یہ تحائف خرید خرید کر غیر ملکی عیسائیوں کو ان کی عید پر پیش کرتے رہے ہیں۔

یہ ایک منکر چیز ہے اور ان کے لیے ہرگز روا نہیں تھی۔ ہمارا نہیں خیال کہ آپ اس چیز کی حرمت سے ناواقف ہیں یا اہل علم کے اُس متفق علیہ فتویٰ سے لاعلم ہیں جس کی رو

سے کفار و مشرکین و اہل کتاب کے تہواروں میں شرکت حرام ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ آپ اس پر نظر رکھیں گے کہ ملک میں یہ کرمس تحائف یا اس کے حکم میں جو دیگر چیزیں آتی ہیں اور جو کہ کفار کی عید کے ساتھ مختص ہیں، ملک میں درآمد نہ کی جائیں۔

<http://www.ahlalhdeeth.com/vb/showthread.php?t=120325>

شیخ سفر الحوالی:

کفار کے تہواروں میں شمولیت کرنا یا اس پر تہنیت دینا، یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ یہ خاص اُن کے تہوار ہیں..... ان چار صورتوں سے باہر نہیں:

۱- محض ایک سماجی لحاظ ملاحظہ ہو؛ ان تہواروں کی تعظیم مقصود نہ ہو اور نہ یہ اعتقاد ہو کہ وہ لوگ کسی صحیح عقیدہ پر ہیں۔ خالی مبارکباد دینے والے شخص پر ایسی صورت کے صادق آنے کا امکان زیادہ ہے بہ نسبت ایسے شخص کے جو پہنچ کر اُن کی تقریب میں شریک ہوتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ حرام ہے۔ کیونکہ اس سے اُن کے ایک باطل میں آدمی کی شرکت بہر حال ہوگئی ہے۔ نیز یہ ان کے شعائر کی تعظیم کا ایک ذریعہ بنتا ہے اور ان کے دین کو ایک طرح کی سندِ صحت عطا کرنا۔ سلف کی کثیر تعداد نے آیت وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ (الفرقان: ۷۲) کی تفسیر میں اس سے مراد ”مشرکین کی عیدوں میں موجودگی دکھانا“ ہی مراد لیا ہے۔ نیز نبی ﷺ کا فرمان: إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا (حدیث صحیحین) نہایت واضح دلیل ہے کہ عیدوں اور تہواروں کے معاملہ میں ہر قوم کا اختصاص ہے۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ اس شرکت میں کسی ہوس کو دخل ہو، مثلاً یہ کہ وہاں شراب یا رقص یا عورتوں کا ہجوم دیکھنے کو ملے گا، وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ

حرمت میں پہلے والی صورت سے زیادہ سنگین ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس شرکت سے آدمی کا مقصد تقربِ خداوندی ہو، مثلاً یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے ایک برگزیدہ رسول تھے لہذا میں تو عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد میں شرکت کر رہا ہوں؛ جیسا کہ بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کا میلاد مناتے ہیں۔ اس کا حکم: یہ بدعتِ ضلالت ہوگی۔ یہ اپنی سنگینی میں میلاد منانے سے کہیں بڑھ کر ہے؛ کیونکہ یہ جس تقریب میں شرکت کرتا یا اس کی مبارکباد دیتا ہے اُس کے منانے والے (معاذ اللہ) 'خدا کے بیٹے' کی پیدائش کا جشن منا رہے ہیں۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ آدمی اُن کے دین کو ہی سرے سے قابلِ اعتراض نہ جانتا ہو؛ آدمی ان کے شعائر سے ہی راضی ہو اور ان کی عبادت کو ہی درست سمجھتا ہو؛ جیسا کہ ماضی میں یہ نظریہ یوں بیان کیا جاتا تھا کہ 'سب ایک ہی معبود کو پوجتے ہیں بس راستے جدا جدا ہیں۔ اور جیسا کہ آج اس نظریہ کو 'وحدتِ ادیان' اور 'اخوتِ مذاہب' ایسے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو کہ درحقیقت فری میسن کے دیے ہوئے نعرے ہیں..... تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ کفر ہے جو کہ آدمی کو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ

(آل عمران: ۸۵)

الْخَاسِرِينَ

’’اس اسلام کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور آخرت میں وہ گھٹا پانے والوں میں سے ہوگا‘‘۔

شیخ ابراہیم بن محمد الحقیل:

بِعَنْوَان: أعياد الكفار وموقف المسلم منها

جب تک دنیا باقی ہے حق اور باطل کے مابین کشمکش باقی ہے۔ امتِ محمدیہ میں سے کچھ طبقوں کا اہل باطل کا پیروکار ہونے لگنا اور یہود، نصاریٰ، مجوس یا بت پرست اقوام کی تقلید کرنے لگنا.. جبکہ ایک گروہ کا اپنے نبیؐ کے چھوڑے ہوئے اُسی حق پر جے رہنا اور کسی عالمی پریشربا کسی سیاسی یا سماجی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لانا..... یہ ایک دائمی خدائی سنت ہے اور اس کو آج بھی روپیہ ہو کر دکھانا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے حق میں اس خدائی سنت کے پورا ہو کر رہنے کی بابت پیشین گوئی فرمائی ہے۔ تاہم اس کے خدائی سنت ہونے یا رسول اللہ ﷺ کے یہ پیش گوئی کر جانے کا یہ مطلب نہیں کہ آج ہم میں سے وہ لوگ جو مغضوب علیہم اور ضالین کے راستوں کا تتبع کرنے لگے ہیں ہم ان پر نکیر کرنا چھوڑ دیں۔ کیونکہ جس ہستی نے اس واقعہ کی پیش گوئی فرمائی ہے وہی ہستی اس خطرناک راستے کو اپنانے سے خبردار بھی فرما گئی ہے۔ اُس مقدس ہستی نے ہمیں بار بار یہ تاکید فرما دینے کے بعد دنیا چھوڑی ہے کہ اس کے بعد زمانہ کیسی بھی آندھیاں چلائے ہم اس کے دین پر ہی جے رہیں اور اس کے چھوڑے ہوئے راستے پر ہی ثابت قدم رہیں خواہ اس سے بہک جانے والوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو جائے اور اس سے انحراف کر لینے والے کتنی طاقت کیوں نہ پکڑ لیں۔ اور یہ بھی واضح فرما دیا کہ خوش بخت وہ ہوگا جو اس حق پر جمار ہے خواہ اس سے پھیر دینے والے عوامل کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں..... اور یہ کہ اس زمانہ میں حق پر چلنے والے ایک آدمی کو دو صحابہؓ کی نسبت پچاس آدمیوں جتنا اجر ملنے والا ہے، جیسا کہ ابو ثعلبہ خنسیؓ کی حدیث سے ثابت ہے۔ (ابوداؤد: ۴۳۴۱، ترمذی: ۳۰۶۰، ابن ماجہ: ۴۰۱۴)

امت محمد ﷺ میں یہ ہو کر رہنا ہے کہ کچھ طبقے آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے اس حق سے منحرف ہو کر باطل کی طرف لپکیں اور یہاں تغیر و تبدل کرنے لگیں؛ جن کی سزا — از روئے فرمانِ نبوی — یہ ٹھہری کہ حوضِ کوثر پر یہ آپ ﷺ سے پرے کر دیے جائیں اور آپ ﷺ کے دستِ مبارک سے ان کو وہ جامِ پینا نصیب نہ ہو جو صرف ان لوگوں کو ملنے والا ہے جو آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے راستے پر ہی جمے رہے تھے۔

فرمایا:

أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ؛ وَلَيُرْفَعَنَّ إِلَيَّ رِجَالُ مِنْكُمْ حَتَّى إِذَا أَهْوَيْتُ إِلَيْهِمْ لَأَنَا وَلَهُمْ اخْتِلَاجُوا دُونِي فَأَقُولُ: أَيْ رَبِّ! أَصْحَابِي! فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحَدَثُوا بَعْدَكَ“ وفي رواية: فَأَقُولُ: سُحْقًا لِمَنْ بَدَّلَ بَعْدِي

(متفق عليه - البخاری: ۶۵۷۶، مسلم: ۲۲۹۷)

”میں تم سے پہلے حوض پر پہنچا ہوں گا (منتظر ہوں گا)۔ ضرور ایسا ہوگا کہ کچھ لوگ میرے سامنے کئے جائیں گے یہاں تک کہ جب میں ارادہ کروں کہ ان کو (جام) تھماؤں تو ان کو مجھ سے پرے دھکیل دیا جائے گا۔ میں کہوں گا پروردگار! میرے ساتھی ہیں! تو کہا جائے گا: تو نہیں جانتا انہوں نے تیرے بعد کیا کچھ گھڑا ہے۔“ جبکہ ایک روایت کے الفاظ ہیں: ”تب میں کہوں گا: دفع اے وہ لوگو جو میرے بعد تغیر و تبدل کرتے رہے ہیں۔“

اس ”تغیر و تبدل“ کا ایک بدترین مظہر اور دینِ محمد سے بیگانہ ہو جانے کی ایک بدترین صورت یہ ہے کہ آج آپ اُس رَو کا شکار ہوں جو اللہ کے دشمنوں کا اتباع کروا رہی ہے اور اس کو ’ترقی‘ اور ’تہذیب‘ اور ’ارتقاء‘ کا نام دیتی ہے، پھر کسی وقت اس کو ’پرامن بقائے باہمی‘ کا عنوان دیتی ہے تو کسی وقت ’انسانی بھائی چارے‘ کا۔ کبھی اس کو ’نظامِ عالم جدید‘ کے تحت فٹ کرتی ہے تو کبھی ’گلوبلائزیشن‘ کے تحت۔ آج یہ رَو نہایت

عروج پر ہے۔ غیرت مند مسلمان نظر دوڑاتا ہے تو اس وباء کو اپنے چاروں طرف پاتا ہے، الامن رحم اللہ۔ ایک بڑی تعداد تقریباً بہہ گئی ہے؛ یہاں تک کہ اب یہ اُن کے شعائر دینی کے انحصار خاص امور کے اندر ان کی اتباع کرنے لگی ہے اور ان کی وہ روایات جو ان کی خاص پہچان ہیں انہی کو اختیار کرنے لگی ہے، یعنی اُن کی عیدیں اور اُن کے تہوار جو کہ باقاعدہ شرائع کا حصہ ہوتے ہیں۔ جبکہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (المائدہ: ۴۸) ”اور مت پیچھے چل ان کی اہواء کے، اُس حق کو چھوڑ کر جو تمہارے پاس آچکا ہے؛ ہم نے تم میں سے ہر کسی کے لیے الگ الگ شریعت اور منہاج مقرر کر رکھا ہے“ لِكُلٍّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ (۶۷) ”ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا ایک دستور ٹھہرا دیا ہے اور اس کو وہی دستور بجالانا ہے“

<http://ar.islamway.com/article/2712>

شیخ ناصر بن سلیمان العمر:

مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ نصاریٰ کے تہواروں میں کسی بھی انداز یا کسی بھی حیثیت میں شرکت کرے؛ خواہ یہ مبارکباد دینے کی صورت میں ہو، یا تحفہ تحائف کی صورت میں، یا ان کی تقریب میں میں شریک ہو کر، یا ان کے اعزاز میں کوئی تقریب منعقد کر کے، یا کسی بھی اور شکل میں۔

<http://ar.islamway.com/fatwa/12762?ref=search>

ایک عرب ریاست میں وزارت مذہبی امور کی جانب سے نوٹس لیا گیا کہ مساجد میں یہود اور نصاریٰ سے متعلق آیات و احادیث کا تذکرہ زیادہ ہونے لگا ہے۔ ہدایت جاری کی گئی کہ خطباء اس رجحان کو کم کریں۔ عرض کی گئی: یہود و نصاریٰ کے ذکر کو کتنا کم کر لیں گے، کیا غیر المَغضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھنا بھی چھوڑ دیں؟ ارشاد ہوا: غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ پڑھتے رہو، اس کی تفسیر سے ذرا احتراز کرو!

فتاویٰ برصغیر 1

مولانا حمید حسین مدظلہ

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کفار کی مشابہت کے متعلق سوال کیا گیا۔ اس کے تفصیلی جواب میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے عبادات اور عید میں کفار کی مشابہت مطلقاً ہونے کا قول کیا۔ (ص ۴۱۷)

بلکہ مجلس تعزیہ داری میں شرکت کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں ایسی مجالس میں حاضر ہونا ایسی مجالس کی مانند مجالس منعقد کرنے کو اس حدیث مبارک:

مَنْ كَثَرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ وَمَنْ رَضِيَ عَمَلَ قَوْمٍ كَانَ شَرِيكًا

لِمَنْ عَمِلَ۔ (رواہ الدیلمی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ کذا ذکرہ السیوطی

فی جمع الجوامع) کے مصداق میں داخل بتایا ہے۔ بلکہ ایسی مجالس میں بعض امو رمباحہ مستحبہ کو بھی بے ادبی ذکر کیا ہے۔ اس واسطے کہ ایسی مجلس اس قابل ہے کہ مٹا دی جائے۔ (ص ۱۸۶ فتاویٰ عزیزی۔ مطبوعہ ایچ، ایم، سعید کمپنی)۔

یوم عاشوراء میں زینت اختیار کرنے کے بارے میں علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے ایک طویل عبارت نقل کرنے کے بعد اسے بدعت قبیحہ قرار دیا۔ (مجموع الفتاویٰ ص ۱۷۵) کفار کی عید کے دن اُن کے اُس دن کو معظم سمجھ کر ہدیہ بھیجنا کفر ہے۔ درمختار کے حوالے سے طویل عبارت درج کی۔ جس میں ان دنوں کے ہدیہ بھیجنے کو حرام اور اگر مشرکین کی طرح ان دنوں کی تعظیم کے قصد سے ایسا کیا تو کافر ہو گیا۔

(مجموع الفتاویٰ۔ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ص ۲۹۳ جلد دوم)

آگے لمبی تفصیل ہے جس میں ابو حفص کبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول بھی منقول ہے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے غیر مسلموں کے مذہبی اجتماعات کے بارے ایک تفصیلی سوال کیا گیا۔ مولانا نے جواباً تحریر فرمایا۔ شریعت مقدسہ نے مسلمانوں کو ایسے مجمع میں شریک ہونے اور بیٹھنے سے منع کیا ہے۔

(کفایت المفتی۔ جلد نہم ص ۳۳۵)

اسی طرح کفایت المفتی میں لکھا ہے۔ جو علامت کفر اختیار کرے یا اس میں شریک ہو یا اس کا انتظام برضا رغبت خود کرے وہ کافر ہے۔ اور بعض صورتوں کو مکروہ تحریمی یا حرام لکھا ہے۔ (ص ۳۳۹)

اسی طرح کفار کی مذہبی دعوتوں میں مسلمانوں کی شرکت کو ناجائز کہا گیا۔

(امداد الاحکام ص ۳۹۷ مولانا ظفر احمد عثمانی زیر نگرانی مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

فتاویٰ برصغیر 2

پروفیسر محمد افضل

عیسائی مذہبی تقریب میں شرکت:

سوال: [9545]: یو کے [U.K] میں بسنے والے سب حضرات عیسائی مذہب کی کبیر شمس ۲۵، ۲۶ /

دسمبر کا دن آتا ہے تو عیسائی مذاہب والے بخشیش دیتے ہیں، اسی طرح عیسائی مذہب والے کا کبیر شمس کا کارڈ بھی ہوتا ہے، وہ بھی ایک دوسرے کو دیتے ہیں، تو یہ سب لینا اور دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ ان کی مذہبی عبادت ہے تو اس میں ہرگز شرکت جائز نہیں ہے۔ ☆ اگر مذہبی عبادت نہیں، محض قومی یا ملکی خوشی کا دن ہے تو اس کا حکم زیادہ سخت نہیں، اگرچہ اس سے بھی بچنے کا حکم ہے، مگر ہلکا ہے۔ واللہ اعلم

حررہ العبد محمد عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۹۰ھ

(حوالہ: فتاویٰ محمودیہ جلد نو ذمہ (۱۹) ص ۵۷۵، ۵۷۶ از مفتی محمود الحسن گنگوہی، مفتی اعظم ہند۔ ناشر دار

الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی، ۲۰۰۵ء)

سوال: اگر کوئی مسلمان، ہندوؤں کے مذہبی تہواروں میں ان سے دوستی یا کاروباری تعلق ہونے کی وجہ سے شرکت کرے تو شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟

☆ (حاشیہ میں یہ عبادت درج ہے) ویکفر بخروجه الی نیر وزالمجوس والموافقة معهم فیما یفعلونه

فی ذالک الیوم (مجمع الانہر، کتاب السیر، باب ألفاظ الکفر انواع: ۴/۵۱۳، غفاریہ کوئٹہ)

جواب: غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات و رسوم میں شرکت جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ جس شخص نے کسی قوم کے مجمع کو بڑھایا وہ انہی میں شمار ہوگا۔

(مولانا محمد یوسف لدھیانوی۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل ج 2 ص 132 ناشر مکتبہ لدھیانوی، کراچی)

غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت:

غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت درست نہیں۔ اسلام اس معاملے میں بہت غیرت مند اور متحس واقع ہوا ہے۔ اسی لیے اسلام نے ان آستانوں (نصب) پر قربانی کو درست نہیں قرار دیا جہاں بت پرست قربانی کیا کرتے تھے۔ بعض صحابہؓ نے حضور ﷺ سے اہل ایران کی طرح نیرو و مہر جان کی عید منانے کی اجازت چاہی، لیکن آپ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا۔ طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور استواء کے وقت نماز سے اس لیے منع کیا گیا کہ اس وقت آفتاب پرست اور بت پرست قومیں عبادت کیا کرتی تھیں، یوم عاشوراء کا روزہ یہود بھی رکھتے تھے، اس لیے امتیاز کے لیے اس کے ساتھ ایک اور روزہ ملانے کا حکم فرمایا گیا۔

جو دین اسلام و کفر کے معاملہ میں اس قدر غیرت مند ہو، کیوں کر سوچا جاسکتا ہے کہ وہ غیر اسلامی تہواروں میں اور ان کی رنگ رلیوں میں شرکت کی اجازت دے گا اور اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا یہ ایک طرح کا کفر کا تعاون ہے جس سے قرآن نے منع کیا ہے۔

(جدید فقہی مسائل حصہ اول ص ۲۷۶ از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔ انڈیا) ناشر پروگریسو بکس، لاہور۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(العمر لله والصلوة والليل) على رسول الله، (ما بعد)

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الْبَدِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾

ایقظ

لاہور

۲۰ ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ

واجب الاحترام فضیلت مآب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت الشیخ! پچھلے چند برس سے آپ نوٹ فرما رہے ہوں گے، ہمارے کچھ دینی حلقوں کے یہاں ”کرمس“ پر نصاریٰ کے ساتھ قربت باہمی کی ایک غیر معمولی فضا تشکیل پانے لگی ہے۔ اس سے پہلے امت کے فساق و فجار سے ہی ایسے کچھ رویے سرزد ہوئے ہوں گے، البتہ علماء و داعیان اسلام کی سطح پر ہماری چودہ سو سالہ تاریخ میں شاید ہی اس کی کوئی نظیر ملتی ہو؛ یعنی کچھ سربراہ و ردہ دینی شخصیات کا مسلمانوں کے نمائندہ بن کر ”کرمس کی خوشیوں“ میں شریک ہونا، اور ان کے اس مقدس تہوار پر (جو کہ اُن کے تئیں خدا کے بیٹے کی پیدائش پر منایا جاتا ہے) - تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا (مبارکبادیں دے کر آنا، اور کرمس کیک کاٹنے میں شریک ہونا، وغیرہ۔ یہ تشویش ناک رجحان ایک غیر معمولی تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا ہے۔

یہ حقیقت بھی جناب شیخ کی نگاہ سے روپوش نہ ہوگی کہ ”تقارب ادیان“ اور ”ادیان کی تشکیل نو“ اس وقت کے دوسرے ترین عالمی ایجنڈے ہیں، اور ہر دو کا ہدف درحقیقت اسلام کو قابو میں لانا ہے۔ اس عمل کا ابتدائی مرحلہ اُن کی نظر میں یہی ہے کہ:

وہ امور جو پچھلے چودہ سو سال سے اہل اسلام کا دستور چلے آتے ہیں، یکسر ہلا کر رکھ دیے جائیں، یا کم از کم بھی ’مشکوٰۃ‘ اور ’اختلافی‘ ٹھہرا دیے جائیں؛ جس کے بعد مسلم عوام کی جہالت نیز میڈیا کی طاقت کا فائدہ اٹھا کر مسلم

معاشرہ کو کچھ نئے قسم کے ”مسلمات“ تھا دیے جائیں اور جو کہ ایسے مسلمات ہوں جو ان کے عالمی ایجنڈے کے ساتھ ہم آہنگ ہوں۔

فضیلت مآب شیخ! فتنوں کا سد باب ہر دور میں علماء و ائمہ دین ہی کا فرض رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اجتماعی فتویٰ کا متن ڈرافٹ کیا گیا ہے جو کہ مکتوب ہذا کے ساتھ لف ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ:

۱۔ اگر آپ اس عبارت کو درست سمجھیں تو اس کی تائید میں اپنے دستخط ثبت فرمادیں، تاکہ اس موضوع پر ملک کے کچھ معروف علمائے سنت کا ایک متفقہ فتویٰ عوام المسلمین میں زیادہ سے زیادہ پھیلا یا جاسکے۔

۲۔ اگر آپ اس پر کچھ جملوں کا اضافہ فرما کر اپنے تائیدی دستخط کرنا چاہیں تو وہ کر دیجئے۔

۳۔ اگر آپ اس عبارت کی اصلاح فرمانا چاہیں تو متبادل عبارت درج فرما کر اس پر اپنے دستخط عنایت فرمائیے۔

۴۔ اس موضوع پر عوام الناس کے استفادہ و مطالعہ کے لیے کوئی تالیف یا کوئی لٹریچر تجویز کرنا چاہیں تو اس کا ذکر فرما دیجئے۔

اس مکتوب کے ساتھ متقدمین فقہاء کے فتاویٰ و اقوال پر مبنی کچھ مواد بھی آپ کی خدمت میں ارسال کیا جا رہا ہے۔

ادارہ ایقاز

☆ ادارہ ایقاز کی جانب سے علمائے پاکستان کو بھیجا گیا ایک مراسلہ۔ یہ مراسلہ پاکستان میں کبار مفتیانِ احناف و اہل حدیث کی خدمت میں روانہ کیا گیا تھا۔ ساتھ فتوائے عام کے لیے ایک مجوزہ عبارت لف کی گئی تھی جو اگلے صفحہ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ جواب میں جن مفتیانِ کرام کی جانب سے مجوزہ فتویٰ کے لیے عمومی تائید آئی وہ بھی اگلے صفحہ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ البتہ مفتیان کے مفصل جواب ہماری ویب سائٹ www.eeqaz.org پر ہی ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله والصلوة والسلام على رسول الله

فتوای عام :

کرسمس کی 'خوشیوں' میں شریک ہونا اور اس کفریہ شعار پر عیسائیوں کو مبارکباد پیش کرنا بالاتفاق حرام ہے اور ایمان کے لیے خطرہ

تمام اہل اسلام کو معلوم ہو:

۱۔ عیسائیوں کا ”کرسمس“ خالصتاً ایک کافرانہ تہوار ہے۔ یہ اُس کفریہ ملت کی ایک باقاعدہ پہچان اور شعار ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خد اکا بیٹا، کہہ کر پروردگارِ عالم کے ساتھ شرک کرتی ہے۔ نیز نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو مستر دکر کے وقت کی آسمانی رسالت کی منکر اور عذابِ الہی کی طلبگار ٹھہرتی ہے۔ ”کرسمس“ کے اس شرکیہ تہوار کی وجہ مناسبت ہی یہ ہے کہ ان ظالموں کے بقول اس دن خدا کا بیٹا یسوع مسیح پیدا ہوا تھا۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنَّ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (الکہف: ۵)

”بہت بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، نہیں بولتے مگر بہتان“۔

۲۔ مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایک ایسی قوم کو جو (معاذ اللہ) خدا کے ہاں بیٹے کی پیدائش پر جشن منا رہی ہو مبارکباد پیش کرنے جائے اور اس ”خوشی“ میں اُس کے ساتھ کسی بھی انداز اور کسی بھی حیثیت میں شریک ہو۔ یہ عمل بالاتفاق حرام ہے بلکہ توحید کی بنیادوں کو مسمار کر دینے کا موجب۔ ہر مسلمان خبردار ہو، اس باطل ”کرسمس“ کی خوشیوں میں کسی بھی طرح کی شمولیت آدمی کے اپنے ایمان کے لیے خطرہ ہے۔

۳۔ اس گناہ کے مرتکب پر واجب ہے کہ وہ اس سے تائب ہو۔ تاہم اگر وہ اہل اسلام کے کسی حلقہ میں راہبر جانا جاتا ہے تو اس کے حق میں لازم ہے کہ وہ اپنی توبہ کا کچھ چرچا بھی کرے تاکہ روز قیامت اُس کو دوسروں کا بارِ گناہ نہ سمیٹنا پڑے۔

۴۔ ”کرسمس“ ایسے معلوم شعائرِ کفر سے دور رہنا تو فرض ہے ہی، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلمان اس ملتِ کفر سے کامل بیزاری کرے۔

۵۔ ”کرسمس“ ایسے معروف نصرانی تہوار کو محض ایک سماجی تہوار کہہ کر اس کے لیے جواز پیدا کرنا گمراہ کن ہے۔

۶۔ ہمارے اسلامی تصورات اور اصطلاحات کو مسخ کرنے کی جو سر توڑ کوششیں اس وقت ہو رہی ہیں، اہل اسلام پر ان سے خبردار رہنا واجب ہے۔ ذمیوں کے ساتھ حسن سلوک سب سے بڑھ کر صحابہ ؓ کے عہد میں ہوا ہے۔ مگر ان کے دین اور دینی شعائر سے بیزاری بھی سب سے بڑھ کر صحابہ ؓ کے ہاں پائی گئی ہے۔ یقیناً یہ حسن سلوک آج بھی ہم پر واجب ہے، مگر اس کے جو انداز اور طریقے اس وقت رائج کرائے جا رہے ہیں وہ دراصل اسلام کو منہدم کرنے کے لیے ہیں۔

مفتیانِ کرام:

اس فتویٰ پر درج ذیل مفتیانِ کرام نے عمومی تائید فرمائی ہے۔ ان کے تفصیلی کلمات آگے آرہے ہیں۔

جامعہ خیر المدارس ملتان

مولانا مفتی محمد اسحاق

شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم، پشاور صدر

مولانا الطاف الرحمن بنوی

مدیر شعبہ استفسارات جامعہ مرکز علوم اسلامیہ منصورہ لاہور

مولانا عبدالمالک

مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان

حافظ صلاح الدین یوسف

مولانا عبدالعزیز علوی

مولانا محمد قاسم حقانی

مولانا محفوظ احمد

مولانا عبدالسلام رستمی

مولانا امین اللہ پشاور

مولانا غلام اللہ رحمٰتی

مولانا محمد حسن

مولانا بشیر احمد حامد حصاری

مولانا عبدالمنان نور پوری

مولانا نقیب اللہ

سبحان اللہ جان

شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد

جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

دارالافتاء جامعۃ الصابر بہاول پور

دارالافتاء جامعہ عربیہ بدھ بیر پشاور

دارالافتاء الجامعہ تعلیم القرآن والسنتہ گنج گیٹ پشاور

مدیر دارالقرآن والحدیث السلفیہ، قاضی آباد، پشاور۔

شیخ الحدیث دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیر والا ملتان

تلمیذ رشید علامہ یوسف بنوری رحیم یار خان

شیخ الحدیث جامعہ محمدیہ، گوجرانوالہ

استاذ الحدیث جامعہ امداد العلوم، پشاور صدر

دارالافتاء جامعہ امداد العلوم، پشاور صدر

نوٹ: یہ فتویٰ ایک ہینڈ بل کی صورت میں دستیاب ہے۔

ادارہ ایقاظ سے طلب فرمائیے اور تقسیم عام میں حصہ لیجئے

کلمۃ سَوَاءٌ؟

دو قوموں کے مابین سیاسی طور پر کچھ امور متنازعہ ہوں تو حرج کی بات نہیں کہ ان کو حل کرنے کے لیے فریقین کچھ مشترکہ نکات پر آجائیں اور متنازعہ امور کو نظر انداز یا رفع دفع ہو جانے دیں۔ مگر دو ملتوں کے مابین دین کا کوئی تنازعہ ہو، اور وہ تنازعہ نبیؐ نے اٹھایا ہو، تو اس تنازعہ کو نظر انداز یا حاشیائی کروانا.. اور مشترکہ امور کو ہی ”ہم آہنگی“ کی بنیاد بٹھرانا گمراہی ہے۔ البتہ یہ گمراہی سنگین تر ہو جاتی ہے جب اس کی دلیل قرآن سے دی جا رہی ہو۔

”گلوبلائزیشن“ کی ضرورتوں کیلئے پریشان ’تقاربِ ادیان‘ کے داعی یہاں پر قرآن کی آیت قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (آل عمران: ۶۴) سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیگر مذاہب کے ساتھ ’مشترک نکات‘ ہی کو نمایاں کرنا اور سب گروہوں اور فریقوں کو ایسے ہی کچھ ’مشترک نکات‘ پر آنے کے لیے کہنا دین کا ایک مشروع عمل ہے!

قرآن اللہ کے فضل سے وہ کتاب ہے کہ باطل نہ سامنے سے اس کے اندر راہ پاسکتا ہے اور نہ پشت سے۔ اس موضوع پر تفصیل سے بات کسی اور مقام پر ہوگی، لیکن مختصراً یہاں یہ چند نکات بیان کر دیے جانا ہی اللہ کے حکم سے کفایت کرے گا:

(۱) سورہ آل عمران کی یہ آیت توحید کی نہایت صریح اور واضح گاف دعوت ہے اور خدا کے ماسواپو جی جانے والی ہستیوں سے برگشتہ ہو جانے اور شرک سے دستبردار ہو جانے کا ایک ”شدید حد تک“ صریح مطالبہ:

أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ

دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (آل عمران: ۶۳)

یہ کہ ہم (ہر دو فریق) نہ پوجیں مگر اللہ کو۔ اور یہ کہ نہ شریک کریں اُس کے ساتھ کچھ بھی۔ اور یہ کہ نہ پکڑے ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو ارباباً من دون اللہ۔ اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: پھر گواہ رہنا ہم تو فرماں بردار ہوئے

یہ ہے آل عمران کی وہ آیت جس کا یہ تقارب ادیان کے داعی حوالہ دیتے ہیں! بتائیے اس سے زیادہ صریح دعوت باطل معبودوں کی نفی کے باب میں کیا ہو سکتی ہے؟ بلکہ اَلَّا نَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ کے الفاظ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ترجمہ ہی تو ہے! توحید کا اس سے زیادہ قوی بیان کیا ہو سکتا ہے؟ کیا اس آیت کا مطلب واضح نہیں کہ ہمارا اشتراک ہو سکتا ہے تو باطل خداؤں کی نفی پر اور خدا کی بلا شرکت غیرے عبادت پر، جو کہ موسیٰ علیہ السلام کی بھی دعوت تھی اور عیسیٰ علیہ السلام کی بھی، بلکہ خدا کے ہر نبی اور ہر رسول کی دعوت، جسے ان کے نام لیوا آج چھوڑ بیٹھے ہیں؟ ”اشتراک“ کی بنیاد کوئی ہو سکتی ہے تو انبیاء کی دعوت کے اُن حصوں کو سامنے لا کر جنہیں اہل کتاب نے شرک کا شکار ہو کر اب طاقِ نسیاں میں رکھ چھوڑا ہے۔ یعنی ”اشتراک“ کی کوئی بنیاد ہو سکتی ہے تو انبیاء کی دعوت کے وہی حصے جن کو اپنے شرک کے باعث اہل کتاب اب ’متنازعہ‘ کر چکے ہیں۔ پس یہ تو ایک ”متنازعہ“ کوریکارڈ پر لانا ہے نہ کہ اُس کو روپوش کر دینا۔ اور بفضلہ تعالیٰ یہ بات قرآن کی اسی آیت سے واضح ہے جسے یہ لوگ اپنی گمراہی کے ثبوت کے لیے لاتے ہیں۔

(۲) پھر اس آیت کا سیاق بھی قابلِ غور ہے۔ سورہ آل عمران کی یہ آیت اُن آیات کے متصل بعد آتی ہے جن میں اہل کتاب کو مبالغہ کی دعوت دی گئی ہے۔ مفسرین آپ کو بتائیں گے کہ یہ وفدِ نجران کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا وہ مناظرہ ہے جس میں نجران کے پادریوں کو جواب دینے سے آپ ﷺ کو اس لئے روک دیا گیا تھا

کہ ان کا جواب خود قرآن کو دینا تھا، اور تب سورہ آل عمران کی یہ آیات اتری تھیں! خود اس آیت کو دیکھئے اور اس سے متصل پہلے گزرنے والی آیت مباہلہ کو دیکھئے، دونوں آیتوں کا اختتام فَإِنْ تَوَلَّوْا ”اگر یہ منہ موڑیں“ کے الفاظ پر ہوتا ہے، جس سے واضح ہے کہ آیت مباہلہ اور اس زیر نظر آیت کا ایک ہی سیاق ہے اور ایک ہی تسلسل۔

(۳) پھر یہ بھی واضح ہے کہ وفدِ نجران نے آپ ﷺ کی اس دعوت کو قبول کرنے سے منہ موڑ لیا تھا۔ نہ مباہلہ کرنا قبول کیا جو کہ پہلی آیت میں ان کو کہا گیا، اور نہ اس ”کلمۃ سواء“ پر آنا قبول کیا جو کہ اس زیر بحث آیت میں مذکور ہوا۔ جس پر وہ جزیہ دینا قبول کر کے نجران واپس لوٹ گئے، گو واپسی میں ان میں سے کچھ لوگ مشرف بہ اسلام بھی ہوئے۔ کوئی تقاربِ ادیان کے ان داعیوں سے سوال کرے، اس آیت میں وہ کونسے ’مشترکہ نکات‘ تھے جو وفدِ نجران کو جزیہ دے دینے سے بھی بڑھ کر ناقابلِ قبول تھے؟

(ماخوذ از: شرح شروط لالہ الالہ اللہ فصل: یشاق لالہ الالہ اللہ ص ۸۹-۹۰)

کرسمس تا دیوالی 'اشکالات' آج ہی کیوں؟

پھیری والے کی آوازیں مسلسل آرہی ہوں..... تو 'بوجھنے' کی ضرورت نہیں ہوتی کہ گھر میں ایک چیز کی کیوں یکدم مانگ ہو گئی ہے!

عہد نبوت سے چلی آنے والی ہماری ایک ریت ہے، مگر اُس پر نظر ثانی کے لیے فرمائشیں مسلسل زور پکڑ رہی ہیں۔ اس کا تعلق علمی دلائل سے کتنا ہے اور زمانے کی اُھواء intellectual whims of your own times سے کتنا، یہ جائزہ لینے کے لیے لمبی چوڑی تحقیقات درکار نہیں؛ 'باہر' کا سماں ایک بار دیکھ آئیے، پورا نقشہ سمجھ آ جاتا ہے!

شیخ الاسلام کی "اقتضاء الصراط المستقیم: مخالفة أصحاب الجحیم" جس کے اقتباسات پر مبنی ایک طویل مضمون پیچھے ہم دے آئے، نیز مذاہب اربعہ کی تقریرات جو کہ پیچھے گزر چکیں..... بہت کافی ہیں کہ اس موضوع پر ہمارا دین کیا کہتا ہے اور زمانہ نبوت سے ہماری ریت اور روایت کیا چلی آتی ہے؟

اصل مسئلہ اس وقت وہ ایجنڈا ہے جس کو بے تکلف لوگ 'اسلام کی ری فارمیشن' کا نام دیتے ہیں جبکہ تکلفات کے عادی طبقے 'ایک نئے اجتہاد کی ضرورت' کا۔

یہ "نیا اجتہاد" فی الوقت پراسیس میں ہے۔ اس کے "مکمل" ہونے کا انتظار رسد کاروں کے لیے بھی مشکل ہے اور طلب گاروں کے لیے بھی۔ جیسے ہی اس کے کچھ اجزاء پک کر تیار ہوتے ہیں، استعمال کے لیے پیش ہو جاتے ہیں۔

تاہم یہ دنیا ایسی ہے کہ ایک ہی چیز کو مختلف کوالٹیوں میں مانگتی ہے۔ "نئے اجتہاد" کی زیادہ پیداوار تو یہاں پر مدرسہ سرسید نے اپنے متنوع دبستانوں سے کر کے دی ہے

اور تاحال دے رہا ہے۔ لیکن ظاہر ہے ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جو اس کی مصنوعات کو کسی خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ بدستور یہاں کے سکہ بند علماء کی طرف دیکھتا ہے اور انہی کی جاری کردہ اشیاء کو قابل اعتناء جانتا ہے۔ ہماری علمی روایات کا امین یہ طبقہ جس کو دوسرے لوگ ”روایتی علماء“ کا نام دیتے ہیں، بلاشبہ ایک بڑی خیر کا حامل ہے اور اسلام کا بہت کچھ آج اسی کے دم سے بچا ہوا ہے ورنہ مدرسہ سرسید نے تو اب تک امت کا سب کچھ بیچ باٹ لیا ہوتا۔ البتہ لگتا ہے مستشرقین کو اس طبقہ کی اہمیت کا اصل اندازہ کچھ تاخیر سے ہوا ہے۔ تاہم قیام پاکستان سے لے کر، آپ بہت بڑے بڑے نام ’روایتی‘ اہل علم کے بھی دیکھیں گے جنہوں نے ”نئے اجتہاد“ میں اچھا خاصا حصہ ڈالا۔ ’ڈیموکریسی‘ سے لے کر ’نیشن سٹیٹ‘ اور وقت کے رائج العمل ’دستوری ڈھانچوں‘ کی درآمد تک ہر اجتہاد روایتی علماء کی ایک معتد بہ تعداد سے شرکت اور حمایت پاتا رہا؛ اور یہ رجحان مسلسل رو بہ ترقی ہے۔ یہ ہمارا آخری قلعہ تھا جو اب پوری طرح حملے کی زد میں ہے؛ ہم اپنے آپ کو شدید فریب میں رکھیں گے اگر یہ سمجھیں کہ دشمن کی یہاں کوئی پیش قدمی نہیں ہو رہی۔

ہاں البتہ یہ مسئلہ اب پہلے سے بہت بڑا ہو گیا ہے۔ ’گلوبلائزیشن‘ ایک بڑے دیوہیکل عمل کا نام ہے؛ اور اس کا کوئی لقمہ چھوٹا نہیں ہوتا۔ اس کا پیٹ بھرنے کے لیے اب جس ”اجتہاد“ کی ضرورت ہے اُس کو پورا کرنے سے بڑوں بڑوں کی سانس پھولتی ہے۔ ناواقف طبقہ گو یہی خیال کرتا ہے کہ کسی چھوٹی موٹی تواضع سے اس کا پیٹ بھرا جائے گا، اور اپنے اُن مدارس اور مساجد میں جہاں صدیوں سے قال اللہ وقال الرسول کے دل پذیر نغمے گونجتے ہیں پادریوں اور بپشپوں کے اعزاز میں ایک آدھ ’بین المذاہب‘ ہم آہنگی، اسٹیج سجا کر اور چند مسکراہٹوں کا تبادلہ کر کے مسئلہ اختتام کو

پہنچے گا۔ مگر واقفانِ حال جانتے ہیں کہ ایک سیاہ منحوس چیز کی یہ کچھ نہایت معمولی اور ناقابلِ ذکر شروعات ہیں؛ جس کا.. انجام..... خدا جانے! منہ پر آنا تو ناممکن ہے، بس سوچئے اور جھر جھری لیجئے

یہاں سے؛ یہ مسئلہ شدید سنگین بھی ہو گیا ہے، پیچیدہ بھی اور تشویشناک بھی۔
الْقَابِضُ عَلَى دَيْنِهِ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ اپنے دین کو نہ چھوڑنا جلتے انگاروں کو ہاتھ میں پکڑ رکھنے کے مترادف! حدیث کی یہ پیشین گوئی کیا آنے والے سالوں کی بابت کوئی خصوصی دلالت رکھتی ہے؟

آنے والے سال یہاں جو چیز لا رہے ہیں (خدا اپنی امان میں رکھے، اللہمَّ عَافِنَا فِيمَنْ عَافَيْتَ) اور جس کی شروعات ہو چکی ہیں: وہ اُن کی جانب سے ہمارے دین ہی کے اندر ایک کمال درجے کا تصرف ہے۔ ہمارے دین کی حفاظت خدا نے آپ اپنے ذمے لے رکھی ہے، البتہ ہمارے اپنے بہت سے بند ضرور بہہ جانے والے ہیں۔ اُن کی جانب سے ہماری اساس کو ہاتھ بہر حال ڈال دیا گیا ہے۔

حق یہ ہے کہ ’ڈیموکریسی‘ اور ’دستوریات‘ وغیرہ اس وقت چھوٹے مسئلے ہو گئے ہیں۔ مغرب کی یہ فرمائشیں ساٹھ ستر سال پرانی ہیں جو اب جا کر ہمارے کچھ طبقوں کو سمجھ آنے لگی ہیں (جبکہ ایک بڑے طبقے کو اب بھی نہیں!)۔ اس وقت اُس کی جو ایک بڑی فرمائش ہے وہ ہے ادیان کا فرق ہی ملیا میٹ کرا دینا۔ اُس کا سیکولرزم اور ڈیموکریسی دراصل ایک خاص قسم کے معاشرے کے لیے ہیں؛ ہمارے یہاں وہ اس سے تخریب کی حد تک ہی کوئی کام لے سکے تو لے سکے؛ اُس کے تعمیراتی عمل کو البتہ کچھ اور قسم کا مواد چاہئے۔ مختصراً: ویسا ہی ایک معاشرہ جو ڈیموکریسی کی چھت ڈالنے سے پہلے اُس نے خود اپنے یہاں قائم کیا تھا۔ تو پھر یہاں پر ضروری ہے کہ ’دین‘ کے جوڑ

ہی ڈھیلے کر لیے جائیں۔ یہاں؛ ”دین“ کو ہی پہلے اُس پر ایسیس سے گزارنا ہوگا جو ”پیک“ ہونے میں آسکے! درست ہے کہ سیکولرزم دین کو عبادت خانے اور پرسنل لائف میں قید کرتا ہے.....؛ مگر ”دین“ بھی تو وہ ہو جو عبادت خانے اور پرسنل لائف میں قید ہونے پر راضی ہو! کسی دیر پا منصوبے میں فوجداری کی گنجائش نہیں ہوتی؛ چیزیں آپ سے آپ ہوں تو ہی ایک ”سسٹم“ چلتا ہے! خود اپنے یہاں اُس نے دین کو پرسنل لائف کے کھونٹے سے باندھ لیا تو اُس کی اپنی تدبیر سے بڑھ کر اس میں اصل کردار تو اُس دین کا ہے جس نے بڑے آرام سے اُس کے آگے دل رکھ دیا، سر رکھ دیا۔ یہ ہے اُس کا اصل تقاضا جو اب وہ ہمارے دین سے کرنے چلا ہے؛ اور یہی حالیہ عشروں کا اصل پراجیکٹ۔ خود اُس کی زبان میں: ”اسلام کی ری فارمیشن“ جبکہ ہماری قاموس: ”ایک نئے اجتہاد کی ضرورت“۔ اس سے بڑھ کر کسی چیز کی مانگ نہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی منصوبہ اُس کے زیر غور نہیں۔ سب منصوبوں کی کامیابی (خصوصاً اُس کے تعمیراتی منصوبوں کا آگے بڑھنا) اسی ایک منصوبے کے سرے لگنے پر منحصر ہے اور پورا زور آج اسی پر صرف ہونے لگا ہے۔

اُس کی نظر سے، اس بازار میں مال کی کمی نہیں، کوالٹی کی کمی ہے۔ مدرسہ سرسید جتنے بھی بڑے پیمانے پر یہ ضرورت پوری کر رہا ہے اور مزید کر سکتا ہے لیکن عوامی زبان میں آپ اس کو چاہنا کا مال کہیے۔ بلکہ یہ تو فیکٹری ہی اُس کی اپنی لگائی ہوئی ہے؛ اُس کو اب ہماری فیکٹری کا مال چاہئے؛ کیونکہ اسلام پر یہی اب تک سند ہے!

چنانچہ آرتھوڈکس اسلام ہی کو تبدیلی کے ایک عمل سے گزارنا یہاں کا اصل پراجیکٹ ہے۔ اسی کے پیچ اور جوڑ ڈھیلے کرنا اصل میدان ہے اور دامے درمے سننے قدے اسی میں سب کو حصہ ڈالنا ہے.. اور جس کو کچھ بھی توفیق نہ ہو اس کو سب سے بڑا

حصہ ڈالنا ہے؛ اور جس کا نام ”خاموشی“ ہے۔ یہ بات ہم طنزاً نہیں کہہ رہے؛ واقعاً منصوبہ یہی ہے: چند سفہاء بولیں گے اور اچھے اچھے علماء خاموش رہیں گے؛ اور چیزیں خود بخود آگے بڑھتی چلی جائیں گی..... تا آنکہ اگلا گیر لگانے کی نوبت آئے اور عمل کا وتیرہ mode of action تبدیل کر دیا جائے۔

آپ اندازہ نہیں کر سکتے، اس پہلے مرحلے میں ”صالحین“ کی خاموشی اُس کے زاویہ نگاہ سے، کیسی زبردست شے ہے! یہاں فی الحال جو اُن کی مرضی کی چیز نہ بول سکے اُس کا تو خاموش رہنا ہی ضروری ہے؛ بلکہ اُس کو خاموش کرانے کے لیے کروڑوں ارب ڈالر صرف کرنا پڑیں تو کر دیے جائیں؛ کجایہ کہ ایسی مہنگی اور نایاب چیز فی الوقت اُس کو رضا کارانہ بنیادوں پر دستیاب ہو!

ہاں کچھ دیر بعد __ خدا نخواستہ __ ضرور وہ وقت آنے والا ہے جب عالم اسلام میں اُن کی ضرورت کی یہ مہنگی ترین اور نایاب ترین چیز __ صالحین کی خاموشی __ اپنی سب وقعت کھودے گی، یعنی جب بولنے کا وقت جاتا رہے گا؛ اور جب باطل بولنے والے کچھ ایسے بڑے بڑے نام میسر آ جائیں گے جن کو غلط ٹھہرانا اسلام کے بنیادی مسلمات کو مسترد کر دینے کے مترادف باور کرایا جاسکتا ہو! اور یہ بات سچ بھی ہے۔ جو صالحین آج میدان خالی پانے کے باوجود یہاں پر بولنے کے روادار نہیں ہوئے وہ کل اپنا یہ سکوت توڑنے کی ہمت کیسے کریں گے جب میدان ہی اُن سے لیا جا چکا ہوگا؟

المختصر، یہ دو چیزیں اُس کو ہمارے ہاں سب سے بڑھ کر مطلوب ہیں:

۱- خود وہ ”دین“ ہی جو مسلم اور کافر کا فرق کراتا ہے، ری فارم کر دینا۔ اور اس میں کچھ بنیادی اور جذری سطح کے تصرفات کرنا

۲۔ اپنے اس ہدف کو محض 'جدت پسندوں' کی سطح پر نہیں بلکہ اُس سطح پہ جا کر حاصل کرنا جس کے لیے تاحال اُس کے ہاں 'قدامت پسند' کا لفظ چلتا ہے۔

پہلی چیز پر کچھ بات پچھلے مضامین میں ہو چکی۔ ایک "افتضاء الصراط المستقیم" ہی اگر ہماری دو رنگو بلائزیشن والی مسلم نسل کو ازبر کروادی جائے تو کافر کا یہ سارا ایجنڈا اللہ کے فضل سے یہاں منہ کی کھائے گا۔ ہمارا دشمن بہت معلومات رکھتا ہوگا پھر بھی جو چیز اُس کے ذہن سے سب سے بڑھ کر محو ہوتی ہے وہ ہمارے دین اور عقیدہ کی اصل قوت ہے جس کی ایک ہی ضرب اُس کے سب تار و پود بکھیر دیتی ہے۔ البتہ جہاں تک دوسری چیز کا تعلق ہے تو وہ بہر حال تشویش ناک ہے۔ ہمارا "ٹھیٹ طبقہ" اس وقت آندھیوں کی زد میں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اس موضوع پر۔۔۔ بلکہ اکثر موضوعات پر۔۔۔ 'جدت پسندوں' کے شبہات کو توجہ دینے سے بڑھ کر، ایک تو اسلام کی بنیادوں کو اذہان میں راسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرا، اپنے گھر کو بچانے اور اسی کی فیصلوں کو پختہ کرنے کی کوشش؛ اور جو کہ یہاں کا موحد اہل سنت طبقہ ہے اپنی اُن تمام فقہوں اور مسلکوں سمیت جو قرونِ سلف سے چلے آتے ہیں۔

اب یہاں؛ اپنے اس پیارے گھر کا ہی کچھ تذکرہ ہے.....

ہمارا گھر؛ یعنی ہمارا وہ طبقہ جو قرونِ سلف سے چلے آنے والے اپنے اس فقہی ورثے کو اوان own کرتا اور اپنے اس علمی تسلسل کو ہی اپنے فہم و استنباط کی بنیاد بناتا ہے..... برخلاف اُن جدت پسندوں کے جن کو ہم اپنے فقہاء و محدثین کے علمی اتفاقات کا حوالہ دیں گے اور وہ دیدے پھیر کر فرمائیں گے، کیا؟

اپنے اس "گھر" کی بابت تشویش ہم اوپر بیان کر آئے۔ چودہ سو سال سے چلی

آتی ایک علمی و فقہی ریت اگر یہاں متاثر ہوتی ہے، اور وہ بھی دین کے کچھ نہایت اہم ابواب میں.. اور حالیہ ’گلوبل‘ نزاکتوں کے حوالہ سے کچھ نہایت دُکھتی جگہوں پر..... تو اس سے بہر حال اس گھر کا بہت کچھ چلا جانے کا خطرہ ہے۔ ہمارے ان اہل علم و فضل کا تو کفر کی اس پیش قدمی پر خاموش رہنا تشویش ناک ہے، کجایہ کہ ان کے ڈپو سے دشمن ایجنڈا کو کوئی گولہ بارود بھی ملے!

ہمارے اس شمارہ کے مضامین سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اہل کفر کی عیدوں یا اُن کے دیگر شعائر کو پذیرائی دلانے کا مسئلہ اس پورے معاملے کی صرف ایک دُکھتی جگہ ہے۔ کل معاملہ البتہ اس سے بڑا ہے اور وہ دیگر بے شمار مسائل میں بھی سامنے آتا ہے۔ البتہ ہم نے اپنے مضامین میں اس ایک دُکھتی جگہ کو جس طرح ہاتھ ڈالا ہے اس سے اس پورے معاملے کا ہی اچھا خاصا علاج ہوتا ہے۔ کیونکہ جب تک ایک مسئلہ کو ’اصول‘ کی سطح پر حل نہ کیا جائے ’فروع‘ کی سطح پر اُس کا حل ڈھونڈنا ایک سرسری اور سطحی اپروچ ہے۔ اس مسئلہ کو ایک ایسے اصولی انداز میں لینا جو جسم میں عین اسی مرض سے متاثرہ دیگر بہت سی جگہوں کا بھی خود بخود ایک علاج کر دے یہ چیز ان شاء اللہ آپ کو ان مضامین میں ضرور ملے گی؛ کیونکہ اس پورے بیان میں ہمارا کل انحصار اللہ کے فضل سے امت کے مانے ہوئے متقدمین و متاخرین اہل علم پر رہا ہے۔

یہ بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہمارے اس پورے مقدمہ کو محض یہ کہہ کر نہ اڑا دیا جائے کہ ہم تو ایک ہی ’چھوٹے سے مسئلے‘ کے پیچھے پڑ گئے! یہ مسئلہ اول تو چھوٹا نہیں اور اگر کسی کو اسے یہ نام دینے پر ہی اصرار ہے تو اس ’چھوٹے سے مسئلے‘ کے علاج میں البتہ ہم نے جو منج اختیار کیا ہے وہ ان شاء اللہ کچھ خاصے بڑے بڑے مسئلے حل کر دینے کی اساس بننے والا ہے۔

اب چونکہ یہ مسئلہ اپنی اصولی جہتوں کے اعتبار سے بے حد بڑا مسئلہ ہے، پھر کفر کے عالم اسلام سے متعلق حالیہ ایجنڈا کو سامنے رکھیں تو یہی امت کا ایک بہت بڑا محاذ بھی ہے..... اس لیے ہم حرج محسوس نہیں کرتے کہ ”گھر“ کے کچھ لوگوں پر بھی گرفت کریں۔

کافر ملتوں سے بیزاری کا مسئلہ اصولِ دین میں سے ہے۔ کافر ملتوں کے شعائر کے لیے ہرگز کوئی موافقت ظاہر نہ کرنا بلکہ اس موافقت یا اظہارِ موافقت یا شرکت وغیرہ کو حرام جاننا امتِ اسلام کے معروف مسلمات میں سے ہے۔ شرک کے کسی تہوار پر خالی ’مبارک سلامت‘ ایسے الفاظ بول آنا خدا کی ایسی معصیت ہے کہ اس کے حرام ہونے پر اجماع تک نقل ہوا ہے، جیسا کہ پیچھے بعض علماء کے کلام میں گزر چکا۔ خود کتاب و سنت کی، ہزار ہا جہت سے یہی دلالت ہے اور مسلمانوں کے فقہاء و محدثین نے اگر اس بات پر اتفاق کیا ہے تو وہ اسی لیے کہ کتاب و سنت کی دلائل کو یہی لوگ سب سے بڑھ کر سمجھنے والے ہیں۔ یہ کسی ایک دو فقہ کا مسئلہ نہیں اہل سنت کے جملہ مذاہب اور فقہیں اس مسئلہ کو ایک ہی طرح اور ایک ہی اصولی بنیاد پر طے کرتی ہیں۔ غرض متقدمین اہل علم کے ہاں معاملہ کا اس حد تک واضح اور صریح ہونا اگر اس سے پہلے آپ پر واضح نہ تھا تو ان مضامین کے بعد اب ضرور واضح ہو چکا ہوگا۔ البتہ دوسری جانب آپ کی نظر ان عوامل پر ہونا بھی ضروری ہے جو اس وقت پوری شدت اور بے رحمی کے ساتھ عالم اسلام سے ”ایک نیا اجتہاد“ طلب کر رہے ہیں۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اس پورے قضیہ میں ’نئی بات‘ صرف ایک ہے اور وہ یہی ’بیرونی تقاضوں‘ والا فیکٹر ہے جو روز بروز شدید تر اور بے رحم تر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ ایک عامل ہے جو سلف تا خلف متفق علیہ چلے آئے اس مسئلہ کی پوری فائل آج نئے سرے سے کھلوانا چاہتا ہے بلکہ اس موضوع پر سلف تا خلف چلے آئے اتفاقات کو ردی کے ڈھیر میں پھنکوانے کے

درپے ہے، بلکہ اتفاقاتِ سلف سے پہلے کتاب و سنت کی واضح دلائلوں اور عقیدہ توحید کی بہت سی مسلمہ بنیادوں کو ہی دریا برد کرنا چاہتا ہے۔

جیسا کہ ہم کہہ چکے، جدت پسند طبقے تو پورے دین کی ہی فائل آج ایک نئے سرے سے کھولنے بیٹھے ہیں؛ ان کے جیالا طبقے مسلمان عورت کو ہندو مرد کے نکاح میں بڑی دیر ہوئی دے آئے ہیں ☆ اور اب تو نہ جانے کیسے کیسے مشن پر ہیں، لہذا اُن کے ساتھ تو ایسی ایک فرع پر بحث کرنا تقریباً فضول ہے..... اس وقت جو چیز ہمارے لیے سب سے بڑھ کر پریشان ہونے کی ہے وہ خود ہمارا ”گھر“ ہے اور اس گھر کے لوگوں میں پرورش پانے والے نئے رویے۔

یہ تو ماننا چاہئے ہمارے اس گھر میں بھی عرصہ سے کھسر پھسر جاری ہے۔ لیکن وہ ’حرفِ اجتہادِ صاف زبان پر آجائے‘، یہ چیز تاحال آسان نہیں۔ خصوصاً اس ’اجتہاد‘ کی

☆ چند سال پیشتر ”المورد“ سے منسلک ایک ویب سائٹ ”انڈر سٹینڈنگ اسلام“ پر کسی مسلم سائلہ نے پوچھا تھا کہ وہ ایک ہندو مرد کی زوجیت میں جانا چاہتی ہے، جس پر اس کو جواب دیا گیا تھا کہ یہ سماجی طور پر نامناسب ہو سکتا ہے البتہ شریعت میں یہ حرام نہیں ہے۔ جنوری ۲۰۰۹ء میں اپنے ایک مضمون <http://www.eeqaz.com/main/articles/09/20090103.htm> کے اندر ہم نے اس کا حوالہ بمع لنک نیز <http://urdu.understanding-islam.org/related/text.aspx?type=question&qid=137&scatid=25> دیا تھا۔ بعد ازاں <http://urdu.understanding-islam.org/related/text.aspx?type=discussion&did=7> مورد سے منسلک اس ویب سائٹ نے یہ دونوں فتوے وہاں سے ہٹا دیے تھے۔ البتہ مختلف ویب سائٹوں پر اس کے حوالے اب بھی ملتے ہیں، مثلاً:

<http://bazwah.freehostia.com/hadaayaboard/viewtopic.php?p=987&sid=6628fc5ab98be6d0a873679288c96849>

ان کے انگریزی سیکشن میں یہ چیز اس سے ملتے جلتے معنی میں اب بھی ملتی ہے:

<http://www.understanding-islam.com/q-and-a/other-religions/marriage-with-non-muslims-5331>

البتہ وہ اردو فتویٰ جواب وہاں سے ہٹا دیا گیا، خباثت کا شاہکار تھا۔ یہ انگریزی کی چیز اُس کے مقابلے کی نہیں۔ وہ اردو فتویٰ بمع اُن کی ویب سائٹ کا فوٹو اب بھی آپ یہاں پر دیکھ سکتے ہیں:

<http://www.eeqaz.com/link/201201b.htm> نیز <http://www.eeqaz.com/link/201201a.htm>

طرح ڈالنے کے لیے کوئی بڑا نام آگے آنا ابھی تک مسئلہ ہے۔ آج بھی اس 'اجتہاد' کا حوالہ دینے کے لیے کوئی بڑا نام پوچھا جائے تو آپ کو اچھا خاصا ذہن پر زور ڈالنا پڑے گا اور پھر بھی کوئی نام شاید سامنے نہ آئے۔ یعنی ایک چیز دھیرے دھیرے چل بھی پڑی ہے، مقبول بھی ہونے لگی ہے مگر اس کو باقاعدہ 'لائسنس' ابھی تک نہیں ملا ہے۔

یہ بھی ماننا چاہئے کہ چند نام زمانہ حاضر سے مل بھی جائیں گے (یہ ان شاء اللہ طے ہے کہ وہ زمانہ حاضر کے ہی ہوں گے؛ متقدمین میں نہ ملیں گے)۔ مگر ایک تو یہ نام ایسے بڑے نہیں، اور برصغیر میں تو معروف ہی نہیں۔ دوسرا، وہ باقاعدہ 'علمائے عقیدہ' میں تو آتے ہی نہیں (جبکہ اختصاص specialization کا تصور مسلمانوں میں اب بھی ختم نہیں ہو گیا ہے)۔ معاشیات میں اگر ان کا کوئی نام ہے بھی تو عقیدہ کے میدان میں تو وہ کبھی حوالہ نہیں مانے گئے؛ پھر حوالہ بھی وہاں جہاں مذاہب اربعہ اور سلف تا خلف ایک متفق علیہ چلے آتے دستور کو صاف غلط ٹھہرانا ہو اور اس کے بعد ہی ایک 'نئے اجتہاد' کی نوبت آ سکتی ہو۔

یورپ میں اسلامی سنٹروں کی کسی نمائندہ کمیٹی کا ذکر یہاں اس لیے غیر متعلقہ ہے کہ ہم فی الوقت علمی ناموں کی بات کر رہے ہیں۔

لے دے کر ایک نام ہے (ہمارے علم کی حد تک) جس سے برصغیر کے بعض سنی طبقوں نے فی الحال استفادہ کی ٹھانی ہے۔ اور وہ ہیں شیخ یوسف قرضاوی۔ بنیادی طور پر قرضاوی صاحب اخوان کی فکری تاریخ میں ایک نئے چیپٹر کا نام ہیں، جسے کھولنے سے پہلے آپ کو اخوان کا پرانا چیپٹر بند کرنا پڑتا ہے۔ بلاشبہ وہ کثیر محاسن بھی رکھتے ہیں۔ طاغوت کی جیلوں میں رہے۔ مصر سے جلا وطن ہوئے۔ یہود کے خلاف اور جہادِ فلسطین کے حق میں زوردار فتویٰ دے رکھنے، پھر خصوصاً انتقالِ ثانیہ اور بعد ازاں ڈنمارک کے

توہین رسالت والے مسئلہ کے بعد مغربی مصنوعات کے عام بائیکاٹ کا فتویٰ جاری کرنے کے باعث امریکہ میں اُن کا داخلہ آج تک بند ہے۔ دیگر بہت سے مواقع پر وہ اچھے اچھے مواقف اپنا چکے ہیں۔ مسلم ایشوز سے متعلقہ بہت سی مجالس کی سربراہی کرتے ہیں۔ کئی ایک عرب طواغیت کے خلاف بھی اچھا سٹینڈ لے چکے ہیں۔ فقہ میں ان کا خاص کام ہے۔ مغرب کی فکری اور تہذیبی یلغار کو کچھ مسکت جواب دیے ہیں۔ تربیت سے متعلقہ بعض موضوعات کو اچھا نبھایا ہے۔ جدت پسندوں کے مد مقابل اسلام کے فقہی ورثے کی اچھی وکالت کر چکے ہیں۔ اسلام کی تحریکی شاعری میں کچھ سحر انگیز اضافے کیے ہیں..... تاہم دین کے بعض نہایت حساس ابواب میں شیخ قرضاوی سے کچھ تباہ کن کام بھی سرزد ہوئے ہیں اور وہ کچھ انحرافات کی مستقل اساس بھی رکھ کر جا رہے ہیں۔ یہ بات ہم نہیں کہہ رہے، اچھے اچھے علمائے عقیدہ نے ان مسائل میں اُن پر شدید گرفت کی ہے بلکہ کڑوی کیسلی بھی سنائی ہیں۔ یہ خطرناک جہتیں جو الاخوان المسلمون کے اس جدید چیپٹر کا حصہ بنتی جا رہی ہیں ان میں یہ مسئلہ بھی آتا ہے؛ یعنی کفار کے ساتھ تعامل کا مسئلہ۔ اس حوالہ سے جو نرم سے نرم الفاظ ہماری زبان پر آسکتے ہیں وہ یہ کہ: ”تقاربِ ادیان“ سے متعلقہ بعض مسائل میں شیخ بہک گئے ہیں۔ یہ بات کتنی بھی شدید ہو، سب متقدمین و متاخرین امت کو اس موضوع پر بیک جنبش قلم غلط ٹھہرا جانے کی نسبت کمتر ہے۔ واضح رہے، ہم نے صرف متقدمین نہیں کہا، کہ مبادا کوئی یہ نکتہ نکالے کہ آج حالات اور ہیں لہذا جن حالات کے حوالے سے متقدمین نے ایک چیز کو حرام اور عقیدہ کے لیے خطرہ قرار دیا تھا، قرضاوی صاحب کے اس نئے اجتہاد سے متقدمین کے اُس موقف کو غلط ٹھہرانا سرے سے لازم نہیں آتا! متاخرین فقہاء و علمائے عقیدہ کا ذکر ہم نے ساتھ اسی لیے کیا کہ یہ، قرضاوی صاحب کے اسی

زمانہ حاضر میں، اس چیز کو نہ صرف حرام کہتے ہیں بلکہ امت کو اس سے شدید ترین انتباہ کرتے ہیں کہ اُن کے دین کے لیے جتنا بڑا فتنہ یہ آج اٹھا ہے اس سے پہلے کبھی نہ اٹھا ہوگا لہذا آج پہلے سے بڑھ کر اس سے خبردار رہنا ضروری ہے۔ (سعودی عرب کے ایک بڑے محدث اور فقیہ، رکن کبار علماء کمیٹی شیخ بکرا بوزید کی ایک تصنیف الإبطال لنظرية الخلط بين دين الإسلام وغيره من الأديان ہی اگر اس موضوع پر دیکھی جائے تو ان شاء اللہ کفایت کر جائے گی)، فتاویٰ کے وہ سب دفاتر ایک طرف جو اس نئے رجحان کو آج کا ایک عظیم ترین فتنہ قرار دیتے ہیں۔

پس ایک تو امت کے سربراہ ترین معاصر علماء کے فتاویٰ جو کہ متقدمین کے فتاویٰ کا ہی فی زمانہ تسلسل ہیں (ان میں سے چند، ہمارے حالیہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں)، دوسرا ان علمائے عقیدہ کا یہ اصرار کہ پہلے کسی بھی دور سے بڑھ کر آج اس مسئلہ پر ڈٹ جانا امت کے حق میں ضروری ہے۔ پس قرضِ صاوی صاحب جن بدلتے حالات کی جانب بار بار اشارہ فرماتے ہیں اور ان کے اعتبار میں مسئلہ کو ڈھیلا کر دینے کی سفارشات کرتے ہیں اور پھر ان کے پیروکاروں کو خیال ہوا کہ ہونہ ہو ہمارے علمائے عقیدہ ضرور ان بدلتے حالات کو نظر انداز کیے بیٹھے ہیں..... قرضِ صاوی صاحب کے یہ بدلتے حالات، بلکہ 'چینتے حالات' ہی تو وہ چیز ہیں جن کی جانب ہمارے علمائے عقیدہ بار بار ہماری آنکھیں کھولتے ہیں! (علامہ بکرا بوزید کی مذکورہ بالا تصنیف ایک نظر دیکھ لینا ضروری ہے) کہ دجالی گلوبلائزیشن ہماری سب سے قیمتی متاع لوٹنے کے لیے ہمارے گھروں میں وارد ہو رہی ہے؛ لہذا دورِ متقدمین سے چلا آنے والا امت کا عین وہی دستور جو دوزخی ملتوں کے ساتھ دینی و دنیاوی معاملہ کرنے سے متعلق ہے..... اُس پر ڈٹ کر دکھانا آج کا ایک عظیم ترین چیلنج ہے۔ لہذا کتاب و سنت کی دلالت تو اس مسئلہ

پر ہے ہی بہت واضح، متقدمین کے فتاویٰ بھی نہایت واضح اور صریح اور شدید ہیں، خود بدلتے حالات کی دلالت بھی ہمارے ان علمائے عقیدہ کے بیان کردہ موقف ہی کی توثیق کرتی ہے؛ قرضاً وی صاحب کے پاس اپنے اس موقف کی تائید میں کچھ بھی نہیں رہ جاتا۔ نہ صرف اصول عقیدہ اور نصوص کتاب و سنت اور فقہائے امت، بلکہ اُن کی واحد دلیل حالات بھی اُن کے خلاف جاتی ہے۔

ذیل میں ہم قرضاً وی صاحب کا یہ اجتہاد اُن کے اپنے الفاظ کے ساتھ نقل بھی کر دیتے ہیں:

سماجی و سیاسی حالات کا بدل جانا ایک معتبر واقعاتی امر ہے۔ یہی تغیر و تبدل کے قاعدہ کا تقاضا ہے۔ بہت سی اشیاء اور امور ایک ہی حال پر جامد نہیں رہ سکتے بلکہ خود بھی بدلتے ہیں اور ان کی بابت انسانوں کا زاویہ نگاہ بھی بدلتا ہے۔ اسی میں: یہ مسلم معاشرے میں اہل ذمہ کا مسئلہ آتا ہے اور جس کو مسلم معاشروں میں مذہبی اقلیتوں کے ساتھ تعلقات کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مسائل اس وقت دنیا میں بہت اہم ہو گئے ہیں، اور ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم اپنی اُسی پرانی فقہ پر رہیں جو ان مسائل میں چلتی رہی تھی۔

عالمی حالات کے بدل جانے کا اعتبار ہی اس بات کا سبب بنا ہے کہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے اختلاف کروں جو نصاریٰ وغیرہ کو ان کی عیدوں پر مبارکباد دینے کو حرام قرار دیتے ہیں۔ البتہ میں اس (فعل) کی اجازت دیتا ہوں بشرطیکہ وہ انوں کے ساتھ پُر امن رہتے ہوں، خاص طور پر ایسے غیر مسلم کو (مبارکباد دینا) جس کا مسلمان سے خاص تعلق ہو جیسے رشتہ داری، پڑوس، ہم جماعت یا ملازمت میں کو لیگ ہونا اور یہ وہ نیک سلوک ہے جس سے اللہ نے ہم کو نہیں روکا بلکہ اللہ کو پسند ہے، جس طرح کہ اُن کے ساتھ انصاف سے پیش آنا اللہ کو پسند ہے (آیت ممتحنہ) ”بے شک اللہ انصاف

يُعَدُّ تَغْيِيرُ الْأَوْضَاعِ الْاجْتِمَاعِيَةِ وَالسِّيَاسِيَةِ أَمْرًا وَقَاعًا تَقْتَضِيهِ سُنَّةُ التَّطَوُّرِ، وَكَثِيرٌ مِنَ الْأَشْيَاءِ وَالْأُمُورِ لَا تَبْقَى جَامِدَةً عَلَى حَالٍ وَاحِدَةٍ، بَلْ تَتَغَيَّرُ، وَتَتَغَيَّرُ نَظَرَةُ النَّاسِ إِلَيْهَا، وَمِنْ ذَلِكَ قَضِيَّةُ غَيْرِ الْمُسْلِمِينَ فِي الْمَجْتَمَعِ الْإِسْلَامِيِّ (أَهْلُ الذِّمَّةِ) وَهُوَ مَا يَعْبُرُ عَنْهُ بِقَضِيَّةِ الْعِلَاقَةِ بَيْنَ (الْأَقْلِيَّاتِ الدِّينِيَّةِ) فِي الْمَجْتَمَعَاتِ الْإِسْلَامِيَّةِ۔ هَذِهِ قَضَايَا أُصْبِحَ لَهَا فِي الْعَالَمِ شَأْنٌ كَبِيرٌ، وَلَا يَسَعُنَا أَنْ نَبْقَى عَلَى فِقْهِنَا الْقَدِيمِ كَمَا كَانَ فِي هَذِهِ الْقَضَايَا۔

ومراعاة تغير الأوضاع العالمية هو الذي جعلني أخالف شيخ الإسلام ابن تيمية في تحريمه تهنئة النصارى وغيرهم بأعيادهم وأجيز ذلك إذا كانوا مسلمين للمسلمين، وخصوصاً من كان بينه وبين المسلم صلة خاصة، كالأقارب والجيران في المسكن والزملاء في الدراسة، والرفقاء في العمل، وهو من البر الذي لم ينهنا الله عنه بل يحبه كما يحب الإقسط إليهم ”إن الله يحب المقسطين“ (الممتحنة: ٨) ولا سيما إذا

مسلم کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جب وہ بھی مسلمانوں کو ان کی عیدوں پر مبارکباد دیتے ہوں، جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (آیت النساء) ”اور جب تمہیں آداب کہیں جائیں تو اس سے بہتر آداب کہو، یا اسی کو لوٹا دو“۔ ضروری ہے کہ ہم شریعت کے مقاصد کا اعتبار کریں، اور جزئی نصوص کو شریعت کے کلی مقاصد کی روشنی میں دیکھیں، نیز نصوص کو ایک دوسرے سے جوڑ کر مطالب اخذ کریں۔ قرآن خود کہہ رہا ہے: (آیت ممتحنہ) اللہ تمہیں منع نہیں کرتا اُن لوگوں کی بابت جنہوں نے دین کے معاملہ میں تمہارے ساتھ قتال نہیں کیا اور تمہیں بے گھر نہیں کیا کہ تم اُن کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ان سے انصاف کے ساتھ پیش آتے رہو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

كانوا هم يهتفون المسلمين بأعيادهم، والله تعالى يقول: وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها (النساء: ٨٦)

يجب أن نراعى هنا مقاصد الشارح الحكيم، وننظر إلى النصوص الجزئية في ضوء المقاصد الكلية، وربط النصوص بعضها ببعض، وهذا هو القرآن يقول: لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخَرِّجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (الممتحنة: ٨)

حوالہ: <http://qaradawi.net/fatawaahkam/30/1425.html>

اس فتویٰ پر علمائے سنت کی جانب سے شدید ترین گرفت کی گئی۔ نرم سے نرم الفاظ میں۔ ہمارے علم کی حد تک۔ اس کا جو جواب آیا اُس کا عنوان تھا الرَّدُّ الكاوی

علیٰ یوسف القرضاوی <http://www.al-sunna.net/articles/file.php?id=3015>

جو کہ شیخ ماہر بن طافر قحطانی کی طرف سے تھا۔ خود آپ نے دیکھا، قرضاوی صاحب اپنی رائے کو محض ابن تیمیہ کے ساتھ اختلاف قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ مذاہب اربعہ کا متفقہ قول ہے، حتیٰ کہ اس پر اجماع تک نقل ہوا ہے۔ رہ گیا اُن کا استشہاد بدلتے حالات سے، تو اس پر ہم بات کر چکے کہ یہ اگر کوئی دلیل ہے تو یہ تو خود اس بات کی متقاضی ہے کہ ”تقارب اديان“ کے ابلسی ایجنڈا کے پیش نظر اس مسئلہ پر سختی پہلے سے بڑھا دی جائے۔ اور رہ گئی بات مقاصد شریعت کی، تو اس کے لیے ”اقتضاء الصراط المستقیم“ ایک نظر دیکھ لیں، آپ پر کھل جائے گا کہ اس باب میں (یعنی مغضوب علیہم اور ضالین سے دوری اختیار کرنے کے معاملہ میں، خصوصاً ان کے شعائر دین کے حوالہ سے) ملت حنیفیہ کے مقاصد درحقیقت ہیں کیا؟ ابن تیمیہ نے کوئی ’فتوے‘ تھوڑی دیے ہیں یا

اپنے زمانے کے حالات پر تصنیف تھوڑی لکھی ہے؛ انہوں نے تو بنیادیں کھڑی کی ہیں اور اس باب میں اصولِ شریعت کی تقریر فرمائی ہے۔ علمِ اصولِ شریعت کا کوئی قدردان اُن کی یہ کتاب پڑھ لے، اُش اُش کراٹھے گا۔

- رہ گئی ”حسن سلوک“ والی دلیل..... تو یہاں ابن تیمیہ یہی تو سوال اٹھاتے ہیں کہ ذمیوں کے ساتھ یہ حسن سلوک رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ﷺ سے بڑھ کر کس نے کیا ہے اور کون کر سکتا ہے؟ ابن تیمیہ یہی تو پوچھتے ہیں کہ ’غیر حربی‘ کفار کی صنفِ دنیا کے اندر کیا آج پیدا ہوئی ہے کہ اس ”حسن سلوک“ کا دستور آج ہم نئے سرے سے وضع کریں اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ﷺ سے نہ لیں؟ یہ ”ذمی“ جن کا ذکر آپ کتابوں میں پڑھتے ہیں کیا یہ کفار کی وہی قسم نہیں ہے جو مسلمانوں کے ساتھ پُر امن رہتے ہوں بلکہ جو مسلمانوں کی بھلی مانس رعایا بن کر رہنا قبول کر چکے ہوں؟ ☆ کوئی ایک چوتھائی کے قریب جزیرہ عرب رسول اللہ ﷺ کا ذمی ہی تو تھا! یمن تا فارس تا شام تا مصر صحابہ کرام ﷺ کا ذمی ہی تو تھا! صحابہ نے ان کے ساتھ وہ نیک برتاؤ کیا اور ان کو وہ اعلیٰ انصاف فراہم کیا جس پر تاریخ دنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ﷺ کے اس مثالی حسن سلوک نے کیا شعائرِ کفر کے ساتھ کسی نرمی یا رواداری کی طرف

☆ وہ حضرات جن کا سہارا آج حالات اور ہیں کی دلیل ہے..... تعین سے یہ نہیں بتا سکتے کہ وہ جذری تبدیلی آخر ہے کیا جو ایسے عظیم اقدام کی متقاضی ہوئی کہ دو زخی ملتوں کے ساتھ برتاؤ کے معاملہ میں ہم اپنا چودہ سو سالہ دستور بدل لیں، اور اب ان کی عید اور دیوالی پر کیک کاٹ کر آیا کریں؟ خاصی دور دور کی کوٹیاں ضرور لائی جا رہی ہیں، مثلاً: کفار کے ساتھ اُن کی عید کی خوشیوں میں شریک ہونے اور مبارکبادیں دے کر آنے کا دستور قرونِ اولیٰ میں نہیں رہا تو وہ اس لیے کہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کی جنگیں ہو رہی تھیں، مگر آج زمانہ بدل گیا ہے! گویا اُس زمانے میں ذمی اور معاہدہ اقوام نہیں ہوا کرتی تھیں، سب کفار مسلمانوں کے ساتھ مصروف جنگ تھے! اور گویا آج تو کوئی جنگیں نہیں ہو رہی، سب کفار مسلمانوں کے ساتھ پُر امن رہ رہے ہیں! حالانکہ ہر دو طرح کے کفار دنیا میں تب بھی تھے آج بھی ہیں۔

بھی رخ کیا؟ سوال تو اصل میں یہ ہے۔ ابن تیمیہ یہی تو پوچھتے ہیں کہ ذمی اقوام نے کیا آج پہلی بار اپنے یہ تہوار منانا شروع کیے ہیں یا اُن کے یہ تہوار اصحابِ رسول اللہ ﷺ سے بھی پہلے سے چلے آ رہے تھے؟ پھر جو تعامل صحابہؓ نے ان جاہلی تہواروں کے ساتھ اختیار کیا آج ہمارے لیے وہ اسوہ اور نمونہ کیوں نہیں رہا؟ جبکہ یہ واضح ہے کہ صحابہؓ نے ان تہواروں میں کبھی شرکت نہیں کی؛ بلکہ ان تہواروں کو مسلم پبلک میں لائے جانے پر پابندی عائد کی، ادھر عامۃ المسلمین کو اُس روز اُن کے گرجوں میں قدم رکھنے سے منع فرمایا، اور تنبیہ کی کہ یہ خدا کا غضب برسنے کے مقامات ہیں۔ (ان چیزوں کے حوالے پیچھے ”اقضاء الصراط المستقیم“ میں گزر چکے)۔ یہ حسن سلوک جس کا ہمارے یہ اصحاب یوں بار بار حوالہ دیتے ہیں گویا قرآن کا یہ حکم ہماری نظر سے اوجھل ہے..... یہ ”حسن سلوک“ کیا اُسی وقت معتبر ہوگا جب ہم اُن مقامات پر جو خدا کے غضب کا محل ہیں اُن کو مبارک سلامت کہہ کر آئیں؟ خود اس ”حسن سلوک“ پر ہی قرونِ اولیٰ کے اندر کیا عمل ہو نہیں چکا؟

- اب ایک دلیل یہ سامنے لائی جانے لگی ہے کہ فی زمانہ کرسمس کوئی مذہبی تہوار نہیں رہ گیا بلکہ ایک سماجی تہوار بن چکا، جس میں شرکت یا تہنیت کی کوئی حرمت ہی دین کے اندر باقی نہیں رہ جاتی! سبحان اللہ کتنا سوچا گیا تو جا کر یہ دلیل ملی ہوگی اور وہ بھی زیادہ تر یورپ اور آسٹریلیا میں رہنے سے ہی ذہن میں آسکی! مگر ہم حیرت سے دنگ رہ جاتے ہیں، ابن تیمیہ نے اس کا جواب دینے سے بھی نہیں چھوڑا! (کسی نے ابن تیمیہ کے علمی مقام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے بجا طور پر کہا ہے کہ ابن تیمیہ صرف اپنے عہد کا نہیں بلکہ آنے والے زمانوں کا امام تھا۔ ہمارے خیال میں، یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ابن تیمیہ ”عہدِ گلوبلائزیشن“ کا امام سنت ہے)۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ذرا اُس حدیث پر ہی

غور کر لو جس میں (یثرب کے جاہلی تہواروں کو ختم فرماتے وقت) رسول اللہ ﷺ اُن لوگوں سے دریافت فرماتے ہیں: مَا هَذَا الْيَوْمَانِ؟ (ان دو تہواروں کی کیا حقیقت ہے؟) تو وہ جواب دیتے ہیں: كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ (دور جاہلیت میں یہ ہماری کھیل تفریح کے دن تھے) ^(۱)۔ بتائیے ”سماجی تہوار“ اور کیا ہوتے ہیں؟ بلکہ ابن تیمیہ یہاں یہ نکتہ اٹھاتے ہیں کہ حدیث میں عموماً ایسی کوئی دلالت نہیں ملتی کہ اہل مدینہ کے یہ تہوار کسی ”مذہبی پس منظر“ کے حامل تھے۔ یہ حدیث انسؓ کے حوالے سے ہے۔ پھر ثابت بن ضحاکؓ کی حدیث میں مسئلہ کی مذہبی اور سماجی جہت بیک وقت بیان کر دی جاتی ہے؛ یہاں آپ ﷺ ایک نہیں دو سوال پوچھتے ہیں: ایک: وہاں جاہلیت کا کوئی بت تو نہیں پوجا جاتا تھا؟ هَلْ كَانَ فِيهَا وَثْنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ (جاہلی مذہب) دوسرا: کیا وہاں اہل جاہلیت کا کوئی میلہ تو نہیں لگتا تھا؟ فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ ^(۲) (جاہلی کلچر)۔ آج بھی آپ کلچر اور ٹورازم والوں سے دریافت فرما لیجئے کہ ”فوک میلے“ ایک قوم کی (جاہلی) تاریخ اور شناخت اور جڑوں کو زندہ رکھنے میں کیا کردار ادا کرتے ہیں..... پھر اُس نئی صبح کا نظارہ کریں جو رسول اللہ ﷺ کے دم سے اللہ رب العزت نے جزیرہ عرب میں طلوع کروائی اور جس کی آب و تاب درحقیقت پوری دنیا کے لیے ہے۔ اقوام دیگر کو اُن کے طور طریقوں اور تہواروں پر چھوڑ رکھنا یقیناً ہمارے دین کی تعلیم ہے کہ وہ جیسے چاہیں انہیں منائیں (ان کو مجبور کرنے

(۱) حدیث انسؓ: رواہ أبو داود: کتاب الصلوٰۃ، باب صلاة العیدین رقم الحدیث ۱۱۳۴۔

والنسائی: صلوٰۃ العیدین رقم الحدیث ۱۵۵۶، وأحمد: رقم ۱۱۵۹۵، وصححه الألبانی فی

صحيح أبي داود رقم الحدیث ۲۱۰، وفي السلسلة الصحيحة رقم الحدیث ۲۰۲۱

(۲) حدیث ثابت بن ضحاکؓ: رواہ أبو داود کتاب الأیمان والنذور رقم: ۳۳۱۳، وأحمد، وابن

ماجة۔ البانی نے سنن ابی داود کی تخریج میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے (صحیح سنن ابی داود رقم: ۲۸۳۴)

کے ہم مجاز نہیں کہ وہ اپنا دین اور طور طریقے اور تہوار چھوڑ کر ہمارے دین اور ہمارے شعائر کو قبول کریں، لیکن ہم ان آثارِ جاہلیت پر کسی بھی انداز میں اُن کو سندِ موافقت دیں یا اپنے تیوروں سے کوئی تاثر دیں کہ وہ جن چیزوں پر ہیں وہ خدا کے غضب کو دعوت دینے والی نہیں، یہ البتہ ہمارے حق میں حرام ہے، وہ جاہلیت کا 'مذہبی عمل' ہے تب اور 'سماجی عمل' ہے تب۔

ہر گز دھوکہ نہیں کھانا چاہئے؛ کرسمس کا مذہبی سٹیٹس ختم کر کے اور اس کو سماجی تہوار قرار دے کر اس راہ سے شرعی رکاوٹیں ہٹانے والے یہ 'اجتہادات' اپنی انتہائی صورتوں کے لحاظ سے ایک بھیانک روٹ ہے۔ یہ چور دروازہ جو عالم اسلام میں پہلے "تقاربِ ادیان" اور بالآخر "وحدتِ ادیان" کی واردات کو ممکن بنانے کے لیے کھلوا یا جا رہا ہے، آگے اور بہت سے محلوں تک جاتا ہے۔ 'امن کی آشا' کو تو اس اجتہاد کی بھٹک پڑنے کی دیر ہے! "کرسمس" کے محلے تو یہاں زیادہ نہیں، 'سماجی' دلیل والا یہ پھانک اصل میں تو ہمارے پڑوس میں کھلتا ہے۔ 'امن کی بھاشا' کو کرسمس سے کہاں اتنی غرض ہوگی جتنی کہ 'دیوالی' سے! یعنی..... ایک دلیل سے اُن گنت شکار!



غرض، آنے والے دنوں میں یہاں کے بیشتر 'نقش کہن' خطرے میں ہیں۔ اپنے بہت سے مسلمات 'بے بنیاد' ثابت کیے جانے والے ہیں۔ بڑی بڑی فضیلیں گرائی جانے والی ہیں۔ اُن کی تعمیرات ہونہیں سکتیں جب تک یہاں کا سب کچھ 'ہموار' نہ کر دیا جائے۔ اس بھاری بلڈوزر کی سست روی پر مت جائیے، یہ دیکھئے جہاں جہاں اب تک یہ پھرا ہے اس نے پیچھے چھوڑا کیا ہے۔ یہاں کے کچھ محلے اُس نے بوجہ چھوڑ رکھے تھے، اب ادھر ہی کو رُخ ہے۔

یہ تخریبی عمل جو دو سو سال سے جاری ہے، اس کا صرف یہی پہلو نیا ہے۔ یعنی ہمارے بچے ہوئے محلے۔ یہیں پر نئے رجحانات، کابلیڈ لگایا جا چکا ہے۔ تو پھر اب..... اپنا ایک ایک محکم مسئلہ اٹھائیے اور اختلافی، اور جزوی، والے پورشن میں ڈالتے جائیے، نہ ہمیں اعتراض اور نہ اُن کو تردد؛ سب کچھ لقمہ اجل ہوتا جائے گا!

چنانچہ حالیہ مرحلہ میں سب سے بڑھ کر جو طرزِ استدلال، یہاں آپ ملاحظہ فرمائیں گے وہ یہی دونکاتی اپروچ:

- کتاب و سنت کی ایک دلالت پر مذاہب اربعہ تک متفق ہیں تو کیا ہے، اس پر 'اور آراء' بھی پائی تو جاتی ہیں! اور اگر نہیں پائی جاتیں تو تھوڑا ٹھہریں، شاید مل جائیں یا اب کوئی ہمت کر لے! غرض 'رائے' کی گنجائش ہے تو سہی!

- نیز..... ایک مسئلہ کو قربان کرنے سے پہلے اُس کو 'معمولی' اور 'جزوی' ضرور ٹھہرا لیجئے۔ کوئی مسئلہ جو اس عفریت کے منہ میں جا رہا ہے 'بڑا' نہیں ہونا چاہیے، اور اگر ہو تو پہلے اُس کو چھوٹے چھوٹے اجزاء کر لیں! اُس کو تو چھوٹے بڑے سے کچھ فرق نہیں پڑتا مگر ہماری اپنی دینی حمیت کے اعتبار سے یہی مناسب تر ہے!

غرض ہمارا یہ گھر جس کو وہ "ٹھیٹ مذہبی طبقہ" کا نام دیتے ہیں اس وقت تبدیلیوں کی زد میں ہے اور خدا بچائے اس کا بہت کچھ تہ و بالا ہونے کو ہے۔

اس موقع پر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدارِ خاص اور ماہرِ امراضِ فتن) کا ایک انتباہ، جو گویا ہمارے ہی اس دورِ گلوبلائزیشن کے لیے کیا گیا:

عن مولیٰ لابن مسعود، قال: دخل أبو مسعود علی حذیفۃ فقال:

اعْهَدْ إِلَيَّ۔ فَقَالَ أَلَمْ يَأْتِكَ الْيَقِينُ؟ قَالَ بَلَىٰ وَعِزَّةَ رَبِّي۔ قَالَ: فَاَعْلَمُ أَنَّ

الضَّلَالَةَ حَقُّ الضَّلَالَةِ أَنْ تَعْرِفَ مَا كُنْتَ تُنْكِرُ وَأَنْ تُنْكِرَ مَا كُنْتَ

تَعْرِفْ، وَإِيَّاكَ وَالتَّلَوْنَ فِي دِينِ اللَّهِ تَعَالَى؛ فَإِنَّ دِينَ اللَّهِ وَاحِدٌ

(شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالكائى ص ۱: ۹۰، صحيح جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر ص ۳۸۴)

مولیٰ ابن مسعود سے روایت ہے، کہا: ابو مسعود حذیفہؓ کے ہاں داخل ہوئے اور عرض کی: کچھ ارشاد ہو جس پر میں پختہ ہو جاؤں۔ فرمایا: کیا تمہیں یقین نہیں آیا؟ عرض کی: کیوں نہیں، میرے پروردگار کی عزت کی قسم۔ فرمایا: تو پھر جان لو کہ ضلالت اور صحیح ضلالت یہ ہے کہ جس چیز کو تم کل تک منکر جانتے تھے آج اُس کو معروف جاننے لگو اور جس چیز کو کل تک معروف جانتے تھے آج اُس کو منکر جاننے لگو۔ خبردار اللہ کے دین میں نئے نئے رنگ اختیار نہ کرنا؛ کیونکہ اللہ کا دین ایک متعین حقیقت ہے۔

حل کیا ہے؟ عقیدہ کے دنگ لہجے۔ اس کے بعد دیکھئے ان شاء اللہ باطل کس طرح پسپا ہوتا ہے۔ ہمارا کل زور اور قوت ہمارے عقیدہ میں ہے اور اس کا باطل کے پاس کوئی تور نہیں۔ باقی ہر چیز کا اُس کے پاس نہایت خوب علاج ہے۔

اللَّهُمَّ أَبْرِمْ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ أَمْرَ رُشْدٍ، يُعَزِّ فِيهِ أَهْلُ طَاعَتِكَ، وَيُذِلُّ فِيهِ أَهْلُ مَعْصِيَتِكَ، وَيُؤْمَرُ فِيهِ بِالْمَعْرُوفِ، وَيُنْهَى فِيهِ عَنِ الْمُنْكَرِ، إِنَّكَ عَلَىٰ مَا تَشَاءُ قَدِيرٌ۔

وصلی اللہ علی النبی وآلہ

پیش بندی، علاج سے بہتر ہے

فتنہ تقارب ادیان سے نبرد آزمائی مجلس کے قیام کی تجویز:

ہمارے وہ اہل علم و فضل جو اس سے پہلے کئی ایک فتنوں کے خلاف سرگرم ہو چکے ہیں اور عامۃ المسلمین پر ان کے اثر انداز ہونے کی راہ میں کامیابی کے ساتھ رکاوٹ بنے ہیں، جیسے ان کا فتنہ قادیانیت، یا اس سے پہلے فتنہ نیچریت یا بعد ازاں فتنہ انکارِ حدیث وغیرہ ایسے محاذوں پر امت کو ایک کامیاب جنگ لڑ کر دینا.....

ان اصحابِ خیر کی خدمت میں ہماری گزارش ہوگی کہ وہ آنے والے دنوں کے عظیم فتنہ ”تقاربِ ادیان“ کی کالی گھٹاؤں کو بروقت توجہ دیں۔ بلاتا خیر علماء کی کوئی مجلس یا انجمن اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے میدان میں لے کر آئیں۔ اور قبل اس کے ’چڑیاں چگ جائیں سب کھیت‘، مسلم معاشرے کو اس بابت راہنمائی دیں۔ یہ تو ان درد مند ان امت سے روپوش نہ ہوگا کہ اس فتنہ کو تعلیمی اور ابلاغی ذرائع کی جو مدد حاصل ہے اور اس پر کچھ عالمی اداروں کا جس قدر زور صرف ہو گیا ہے وہ غیر معمولی ہے۔ اس کے ساتھ پورا اترنے کے لیے یہ ہرگز کافی نہ ہوگا کہ اپنی ایک آدھ مسجد یا مدرسہ یا محدود حلقہ میں اس پر ایک آدھ خطبہ یا درس یا تقریر کر دی جائے۔ یہ ایک مستقل فتنہ ہے اور میدان میں اس کے حسب حال مزاحمت لے کر آننا ضروری ہے۔

عامۃ الناس میں سے ہر درد مند سے اپیل ہے کہ اپنے اپنے حلقے میں وہ علماء اور دانشور طبقوں سے ہماری اس گزارش کو توجہ لے کر دیں۔

واللہ ولی التوفیق